مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ ______ لاھور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات (i) بجٹ 97-1996ء (ii) عورت کے لئے سزائے موت کی منسوخی	ادارہ طلوع اسلام	2
خدا اور سرمایہ دار	طلوع اسلام ٹرسٹ	7
پرویز صاحب پر الزامات کا علمی جائزہ	بشیر احمد عابد	8
الزامات اور ان کی حقیقت	ادارہ	22
علماء کے لئے لمحہ فکریہ	محمد اشرف جاوید	29
قرآن کے خلاف سازشیں	بشیر احمد ملنگی	35
حقائق و عبر۔ میڈیا کی ماڈرن عورت	ادارہ	46
نبی اکرمؐ کا ذریعہ معاش	رحمت اللہ طارق	47
نقد و نظر۔ اسلامی انقلاب کی جدوجہد	ادارہ	51
وتعزمن تشاء وتذل من تشاء	ڈاکٹر عبدالودود	52
تمثیلچہ	شائستہ اشرف	58
فہرست موضوعات آڈیو/وڈیو کیسٹ درس قرآن	ادارہ	59
باب المراسلات۔ حرام مغز؟	ڈاکٹر سید عبدالودود	62
اشتہارات		63

•انتظامیہ :- چیئرمین : ایاز حسین انصاری -- ناظم : محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری -- مجلس ادارت : میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر درّاز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر --

ناشر : عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع : خالد منصور نسیم -- مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔

مقام اشاعت : B-25 گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49 | شمارہ 7 | جولائی 1996ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے | اندرون ملک سالانہ 120 روپے | ایشیا، افریقہ، یورپ 550 روپے | آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

[illegible]

عام آدمی ہر چند کہ اس کی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے [illegible] یوں کہ ہر بجٹ کے بعد قیمتوں کے بڑھنے کی زد [illegible] دائرہ ہر سال کم کرنا پڑتا ہے۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے والے محاورے کے مطابق [illegible] کے اندر رکھنے کے لئے ہر سال اپنی ٹانگیں سکیڑنی پڑتی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ (بھلے دنوں کی آس لئے) اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ٹانگیں پیٹ سے لگ گئی ہیں۔

ہمارا منصب اور میدان نہیں کہ ہم بجٹ کا تکنیکی جائزہ لیں، ہمیں تو صرف فقیرِ راہ گزر، ایک عام شریف شہری کی محرومیوں اور مشکلات پر نظر ڈالنی ہے جو اس پر رزقِ حلال کی راہیں تنگ اور دروازے بند کئے جا رہی ہیں۔ اس وقت سوائے ایک بہت ہی محدود امیر طبقے کے جو شاید پانچ فیصد بھی نہیں ہر شخص پریشان ہے۔ شریف اور دیانتدار طبقہ جو جائز اور حلال کے قائل ہیں سب سے زیادہ تنگی میں ہیں۔ کبھی کہتے تھے گوشت روٹی نہ سہی دال روٹی تو میسر ہے۔ اب دال دسترس سے باہر ہو رہی ہے اور پیاز اور روٹی بھی۔

یہاں ہمیں وہ حدیثِ قدسی یاد آرہی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ مفلسی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ ہمیں پاکستان سے بے انداز محبت ہے (طلوعِ اسلام کی اس میدان میں خدمات کا ذکر مقصود نہیں کہ اس کا تو شروع سے مقصد و منتہا ہی اس کا قیام اور استحکام رہا ہے) لیکن معاشی تنگی کے ہاتھوں ستائے ہوئے کسی شہری کی یہ پکار کہ کیا پاکستان اسی لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں غریبوں پر عرصۂ حیات دن بدن تنگ ہوتا جائے وہ اپنی اس بے کسی و بیچارگی کے عالم میں قیامِ پاکستان کی مصلحت تک کو چیلنج کرے تو یہ اس کی مجبوری ہے۔ ہمیں البتہ سوچنا ہوگا کہ ہماری منزل کیا تھی اور ہم جا کہاں رہے ہیں۔

بقول قائدِاعظمؒ یہاں قرآنی اصول و ضوابط کی حکمرانی مقصود تھی۔ معیشت کے میدان میں اُن کے خیالات اُن کی سیاسی زندگی کی آخری پبلک تقریر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر انہوں نے فرمایا تھا:

”ہمیں اپنا راستہ خود متعین کرنا چاہئے اور دنیا کے سامنے ایسا نظام پیش کرنا چاہئے جو اسلامی

ساوات اور عدلِ عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو' صرف یہی ایک طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں کے جو اِسے تباہیوں سے بچا لے اور نوع انسان کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے- یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا"

ہمارا راہنما' ہمارا قائداعظمؒ قرآنِ پاک کی روشنی میں دیکھتا اور سوچتا تھا' کیا ہم اس کی دی ہوئی (Guide lines) کی پیروی کر رہے ہیں؟ کیا ہماری معیشت کا سفر اسلامی مساوات کی منزل کی طرف رواں ہے؟

خوشحالی ایک دلفریب بلکہ خودفریب نعرہ ہے- مجموعی قومی دولت میں اضافے کی نوید گمراہ کن سراب بھی ہو سکتا ہے- بارہ کروڑ میں چند درجن یا چند سو خاندانوں کی آمدنی میں بے پناہ (Astronomical) اضافہ مجموعی قومی دولت میں اضافے کا باعث تو ہو سکتا ہے مگر مجموعی خوشحالی کا مظہر نہیں- ملک بے پناہ قرضوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے- اس دفعہ کے تخمینوں کے مطابق دفاع پر اخراجات قومی آمدنی کا 26.3 فیصد ہے اور بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی (Debt Servicing) پر 37.2 فیصد- ایک تو ہم نئی نئی اصطلاحات کے پردے میں اپنی کوتاہیوں کو چھپانے میں ماہر ہو گئے ہیں' سود نہ کہا مارک اپ کہہ لیا- قرض کو امداد کہنا شروع کر دیا اور قرض چکانے بلکہ قرض کا سود چکانے کو (Debt Servicing)_ حقیقت ان باتوں سے نہیں بدل جاتی- کہتے ہیں کہ اس وقت ہر پاکستانی بچہ' بوڑھا' جوان' مرد اور عورت تیرہ ہزار روپے کا مقروض ہے- یہ قرض واپس ہو سکتا ہے صرف ایکسپورٹ کی کمائی سے مگر ہماری مصنوعات' بجلی' پانی' گیس کے نرخوں کی وجہ سے لاگت میں زیادتی کے باعث اتنی مہنگی ہو رہی ہیں کہ دوسرے ملکوں کا مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں رہی اور پھر بیرونی منڈیوں میں ہم نے اپنی ساکھ ہی کہاں بنائی ہے کہ لوگ ہماری چیزوں کو ترجیح دیں- تازہ خبر ہے کہ عراق جسے ہمارے باسمتی چاول بہت پسند تھے اس بار فلپائن سے چاول منگوا رہا ہے کہ وہ سستے ہیں-

اپنی چینی ہم اس حد تک ایکسپورٹ کر دیتے ہیں یا ہمارے محب وطن کارخانہ دار چھپا کر ذخیرہ اندوزی کر لیتا ہے کہ باہر سے چینی منگوانی پڑتی ہے ----- وہ بھی ان ذخیرہ اندوزوں پر پریشر ڈالنے کے لئے ------ اور ہم درآمد کرتے ہیں آلو' ٹماٹر' پیاز اور ادرک ----- **فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ!**

ادھر سیاسی ماحول میں افراتفری کا عالم ہے- وہ لوگ جو لیڈر کہلواتے ہیں' وہ جو نمائندگانِ قوم ہیں' وہ بھول رہے ہیں کہ ان کا یہ سارا کرّوفر' یہ ساری آسائشیں اور عیاشیاں اس ملک کے دم سے ہیں- خاکم بدہن اس پر کوئی افتاد پڑی تو انہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی- یہ رشوت اور سمگلنگ کی کمائی بھی ساتھ

[illegible] بھی نہ ہوگا۔ کھلا آسمان اور ذلت و [illegible]

[illegible] مل بیٹھیں اور صورت حال پر غور کریں [illegible] تو کم از کم سیز فائر ہی کر لیں اور ایک عبوری دور کے لئے [illegible] (معاشی، معاشرتی، اخلاقی) کے لئے متفقہ لائحہ عمل وضع کریں تاکہ ملک کم از کم اس مالی بحران سے تو نکل سکے

اُٹھتے بیٹھتے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطہ حیات ہے تو پھر ہم کیوں رہنمائی کے لئے اس کی طرف رجوع نہیں کرتے، قوانینِ خداوندی کا اتباع ہی ہر بیماری کا علاج اور تریاق ہے۔ زمین کا مسئلہ ہو یا ذرائع پیداوار کا، رہن سہن کا ہو، کھانے پینے کا ہو یا پہننے کا آپس میں معاملات کا ہو یا قانون کی پاسداری کا، ملکی ضروریات کا ہو یا بین الاقوامی معاہدات کا، صلح کا مسئلہ ہو یا جنگ کی تیاری کا، ہر صورتِ حال سے نمٹنے کا راستہ مل سکتا ہے ------ ہاں پیش پا ذاتی مفادات اور شخصی مفادپرستی سے بلند ہونا پڑے گا، ذاتی خواہشات کو آلہ بنانے کا رویہ ترک کرنا ہوگا۔ بہتری کی کوششوں میں مہلت کا وقفہ لامحدود نہیں ہوتا ------ یہ بھی یاد رہے کہ خدا انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

2- عورت کو سزائے موت سے مستثنٰی کرنے کا وفاقی فیصلہ -- احکامِ خداوندی سے کھلی بغاوت

11 جون 1996ء کے اخبارات میں اس خبر کی خاصی تشہیر کی گئی کہ خواتین کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ سورہ بقرہ کی آیت 178 کی رُو سے ہمارے نزدیک وفاقی کابینہ کا یہ فیصلہ احکامِ خداوندی کے خلاف کھلی کھلی بغاوت ہے۔

وفاقی کابینہ کے اس فیصلے کے خلاف لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہی تھا کہ نوائے وقت کی 16 جون 96ء کی اشاعت میں جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب سابق چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت و چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کا مضمون دکھائی دیا، جو نہ صرف ہمارے، بلکہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے۔

ہم ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کو بصد عزو نیاز اپنے ہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

بقول ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب

سورہ بقرہ کی آیت 178 میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو ! تم پر مقتولین کے عوض قصاص فرض کیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے،

"(والا نثٰی بالا نثٰی)"---- ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ "قصاص (لینے) میں تمہارے لئے زندگی ہے"۔ (تلخیص و ترجمہ)

ایک دوسری آیت میں "اِنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ" جان کے بدلے جان کا حکم قرآنی بالکل صاف اور واضح ہے جو جرم و سزا کے تعلق سے مرد و زن میں مساوات پر مبنی ہے"۔ عورت کی کوئی تخصیص نہیں' اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ دشمن دیگر لوگوں کی بہ نسبت' وہ قاتل ہے جو غیر قاتل (معصوم) کو قتل کرے اور وہ مارنے والا ہے جو نہ مارنے والے کو مارے (الی آخرہ)"۔ اور ارشاد فرمایا "یعنی جس نے قتل کے ذریعہ کسی مومن کو ہلاک کیا اس سے قصاص لیا جائے گا"۔ یہ کہ مقتول کا ولی معاف کر دے اور جو شخص قصاص لینے کے درمیان آڑ بنے اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس کا غضب ہو اس سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہ ہو گا۔ (کابینہ کے ارکان ذرا اس حدیث مبارک پر غور فرمالیں)۔ اس امر میں آئمہ اہل سنت' ظاہریہ و شیعہ جعفریہ کا اتفاق ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء قصاص کا مطالبہ کریں تو جرم ثابت ہونے پر قصاص میں تاخیر نہ کی جائے گی' لیکن اگر کوئی حاملہ عورت قاتلہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کرنا ہو گا۔ (یعنی اس عورت سے بھی قصاص بچہ جننے کے بعد لیا جائے گا)

اسی طرح اگر ڈاکوؤں نے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) ڈاکہ زنی کے دوران صرف قتل کا ارتکاب کیا' مال ہاتھ نہ لگا تو ان کو قتل کی سزا بطور حد دی جائے گی۔ مقتول کے ورثاء کو معافی کا کوئی اختیار نہ ہو گا اور نہ صدر مملکت یا گورنر اس قاتل کو معاف کرنے یا سزا میں تبدیلی کرنے (جیسے کہ قتل کا جرم ثابت ہو جانے پر اس کو صرف سزا عمر قید دینے کا اختیار نہ ہو گا) (الاختیار جلد 4 صفحہ 16-115' البحر الرائق جلد 5 صفحہ (68 - 67) کیونکہ قاتل کو یہ عمل کئے جانے کا حکم بطور قصاص نہ ہو گا بلکہ شرع کی جانب سے بطور "حد" مقرر ہے۔ (جواہر الاکلیل جلد 2 صفحہ 294) اسی طرح اگر قتل کی سزا (تعزیراً) دی جائے تو بھی ورثاء کو معافی کا اختیار نہ ہو گا)۔

کتاب و سنت میں جرائم حدود و قصاص میں مرد و عورت کی سزا میں کسی قسم کا کوئی استثناء موجود نہیں ہے۔ اگر ہماری پارلیمنٹ ایسا کوئی قانون منظور کرتی ہے تو وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں مداخلت کرتی ہے۔ جس کی صراحت دستور پاکستان کے آرٹیکل 2' 2 الف میں کی گئی ہے۔ نیز ایسا قانون دستور کے آرٹیکل 25 کے بھی خلاف ہو گا جس میں کہا گیا ہے کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں صرف صنف (جنس) کی بناء پر کسی قسم کی تفریق و امتیاز روا نہ رکھا جائے گا۔

علاوہ ازیں دستور کا آرٹیکل (1) 227 اس امر کی ممانعت کرتا ہے کہ کوئی بھی قانون جو قرآن و سنت میں دیئے گئے احکام کے خلاف ہو' وضع کیا جائے۔

1989ء کے دوران سندھ گورنمنٹ نے میڈیکل کالجوں میں میرٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے لڑکیوں کا

علیحدہ کوٹہ مقرر کیا تھا جس کے نتیجہ میں زیادہ نمبر حاصل کرنے والی لڑکیاں کم نمبر حاصل کرنے والے لڑکوں کے مقابلہ میں داخلہ سے صرف اس لئے محروم کر دی گئیں کہ وہ لڑکیاں ہیں۔ عدالت عالیہ سندھ میں حکومت کے خلاف رٹ پٹیشن دائر کی گئی جو بحیثیت قائم مقام چیف جسٹس میرے اور جسٹس امام علی قاضی پر مشتمل ڈویژن بینچ (اجلاس متفقہ) کے سامنے سماعت کے لئے آئی۔ ہم نے پٹیشن منظور کرتے ہوئے حکومت کے اقدام کو غیر قانونی اور بلا اختیار جائز قرار دیا۔ اس فیصلے میں بھی آرٹیکل 25 (2) اور آرٹیکل 2۔الف سے استدلال کیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مسماۃ فرحت جلیل و دیگران بنام حکومت سندھ پی ایل ڈی 1990ء کراچی)۔

اور کابینہ کا یہ کہنا کہ بہت سے دوسرے ممالک میں ایسا قانون موجود ہے' لغو اور ناپسندیدہ ہے کیونکہ اول تو وہاں قرآن و سنت کے قانون کو برتری حاصل نہیں ہے جیساکہ نفاذ شریعت ایکٹ 1991ء کے تحت ہمارے ملک میں قرآن و سنت کو حاصل ہے۔ نیز شریعت کورٹ بھی قرآن و سنت کے خلاف قانون کو کالعدم قرار دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں کابینہ کا یہ اظہار خیال کہ اس قانون سے معاشرہ کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی' باطل بنیاد پر **تحکم فی الدین**" کے مترادف ہے۔ اگر عورت کے حق میں **استثنی** دیا گیا تو نعوذ باللہ قرآن حکیم کا یہ دعویٰ کہ "تمہارے دین کو میں نے (قیامت تک کے لئے مکمل کر دیا) کیا غلط قرار نہ پائے گا؟

کچھ ناظم ادارہ کے بارے میں

ناظم ادارہ طلوع اسلام' **محمد لطیف چوہدری** صاحب کچھ دنوں سے سینہ میں درد محسوس کر رہے تھے۔ 18-6-96 کو آپ ہسپتال گئے تو دل کے ماہر طبیب نے تشخیص کی کہ یہ عارضہ قلب کی شکل ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں ہی اس کا انکشاف ہو گیا ہے۔ آپ 19-6-96 سے ہسپتال میں زیر تشخیص و علاج ہیں۔ طبیعت سنبھل چکی ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان کی مکمل صحت یابی کے لئے دعا فرمائیں۔

خدا اور سرمایہ دار

طلوع اسلام ٹرسٹ کی ایک بصیرت افروز اور معلومات افزاء پیشکش

- کیا اسلام، مغرب کے معاشی نظام کا حامی ہے؟
- کیا اسلام، اشتراکی نظام کا حامی ہے؟
- کیا اسلام کا کوئی اپنا معاشی نظام ہے؟
- اس نظام کی تفاصیل کیا ہیں؟
- وہ کس طرح دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہے؟
- کیا وہ نظام، نوع انسان کے معاشی مسئلہ کا اطمینان بخش حل پیش کر سکتا ہے؟

یہ اور اسی قسم کے دیگر معاشی مسائل کا تجزیہ، تبصرہ اور حل۔ عصر حاضر کے مایوس انسانوں کے لئے شعاع امید۔ اہل پاکستان کے لئے قندیل راہ۔

قیمت (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ)

اعلیٰ ایڈیشن	Rs.160/-
سٹوڈنٹ (پیپر بیک) ایڈیشن	Rs.80/-

ہم اس کتاب کے منظرِ عام پر لانے کے لئے پہلے محترم رشید احمد بٹ صاحب بزمِ طلوع اسلام یارکشائر کے تعاون کے خصوصی طور پر ممنون ہیں۔

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشیر احمد عابد (کویت)

پرویزؒ صاحب پر اعتراضات کا علمی جائزہ

محترم پرویز صاحب علیہ الرحمہ- جن کا اصل نام چوہدری غلام احمد تھا، 9 جولائی 1903ء کو ضلع گورداسپور کے مشہور قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے اور 24 فروری 1985ء کو لاہور میں وفات پائی- آپ کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا- والد صاحب ناخواندہ تھے لہٰذا آپ کی پرورش آپ کے دادا چوہدری رحیم بخش نے کی جو ایک حاذق طبیب اور ممتاز صوفی عالم تھے- پرویزؒ صاحب کو صغر سنی میں ہی مذہب کے ساتھ لگاؤ پیدا ہو گیا اور آپ نے مذہبی لٹریچر کا نہایت گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا- اپنے اس تجربے کے بارے میں آپ لکھتے ہیں :

"میں نے مروجہ اسلام کے نظریات' تصورات' معتقدات' رسوم و مناسک پر امکان بھر تحقیق کی جس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ ان کا بیشتر حصہ ہم نے دوسروں سے مستعار لیا ہوا ہے- میں نے کئی برس تحقیق و کاوش کی ان سنگلاخ زمینوں اور خاردار وادیوں میں گذارے اور اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی باک نہیں کہ اس صحرا نوردی اور دشت پیمائی میں میرے شکوک و شبہات بڑھتے چلے گئے اور سابقہ معتقدات اور تصورات پر میرا یقین باقی نہ رہا-" (تبویب القرآن از پرویز- ص 4)

ابتدائی تعلیم و تربیت کی تکمیل پر آپ اپنا آبائی قصبہ چھوڑ کر بسلسلہ ملازمت لاہور چلے آئے- یہاں آپ کا تعارف مفکر قرآن علامہ اقبال علیہ الرحمہ سے ہوا' اور آپ حضرت علامہ" کی فکری و علمی محافل میں باقاعدگی کے ساتھ حاضری دینے لگے- اس طلب و تجسس کا یہ فیض تھا کہ آپ جونہی قدامت پرستی کی پرخار وادیوں سے نکلے' سیدھے قرآن کریم کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے- ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ لوگ قدامت پرستی جھٹکنے کے بعد کفر و الحاد کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں اور ایک ایسی دلدل میں دھنس جاتے ہیں جہاں ہر قدم انہیں پستیوں کی طرف لے جاتا ہے- ہمارے ہاں جس قدامت پرستانہ انداز میں قرآن کریم پڑھایا اور سمجھایا جاتا ہے وہ اہلِ مذہب کے لئے تو خوب فائدہ مند ثابت ہوتا ہے- لیکن اہل علم و دانش اس میں کوئی کشش محسوس نہیں کرتے- کیونکہ علم و دانش کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر معاملے میں غور و تدبّر سے کام لے جبکہ اہلِ مذہب کے نزدیک قرآنِ کریم میں جو غور و تدبّر ہونا تھا وہ ہو چکا' ہمارا کام اب اس کا اتّباع کرنا ہے-

ہم جانتے ہیں کہ انسانی علم روز افزوں ترقّی پذیر ہے- نت نئی چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں- اشیائے کائنات سے متعلق نئے انکشافات' نئی ایجادات اور نئے اصول' انسانی تہذیب و تمدّن کے نئے پہلو اور بوقلمونیاں' نئے تقاضے اور ان کی تسکین کے نئے سامان- نفسِ انسانی کی نئی جہتیں' نئے زاویے اور نئی قوتیں غرضیکہ ہمارے اردگرد تغیر و تبدّل کا ایک

لا متناہی سلسلہ ہمہ وقت جاری و ساری رہتا ہے اور بقول اقبالؒ :

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

جو لوگ آنکھیں کھول کر چلنے کے عادی ہیں ان کے لئے ان تغیرات سے آنکھیں چرانا ناممکن ہوتا ہے۔ انکشافات و ایجادات کا یہ محیر العقول سلسلہ انہیں قدم قدم پہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اِن پر غور و فکر کرنے کے لئے مجبور پاتے ہیں۔

قرآنِ کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ انسان کی قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ یہ رہنمائی (بالخصوص ایک تغیّر پذیر کائنات میں) اسی صورت میں کارآمد ہو سکتی ہے جب اس پر مسلسل غور و فکر کیا جائے اور اس کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل معلوم کیا جائے۔ ایک متغیر انسانی معاشرے میں جامد عقائد و نظریات کے بل بوتے پر کامیاب زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم تو بار بار تدبّر و تفکّر کی تاکید کرتا ہے اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن اس کے علی الرغم ہمارے مذہب پرست طبقے نے یہ عقیدہ وضع کر رکھا ہے کہ قرآنِ کریم پر جس قدر غور و تدبّر مطلوب تھا وہ ہو چکا ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی تفسیروں اور فقہاء کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ ہمارا کام صرف اس کا اتّباع کرنا ہے اور بس! للذا' غور و تدبّر ان کے ہاں شجرِ ممنوعہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہمارے علماء نے تفسیر بالرائے کرنے والوں کو ہمیشہ مطعون کیا ہے اور عقل و خرد کی بات کرنے والوں کو ہمیشہ ظلم و ستم اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ ہماری تاریخ معتزلہ کے خون سے رنگین ہے' جنہیں طعنہ کے طور پر معقولین کہا جاتا تھا' یعنی یہ کہ وہ عقل کی بات کرتے تھے۔ اس کے بعد عقل و خرد سے کام لینے والوں کو ایسا بدنام کیا گیا کہ معقولی کا لفظ گالی بن کر رہ گیا۔

محترم پرویزؒ صاحب ایک علم دوست شخصیت تھے اور ذہن رسا پایا تھا۔ آپ کی نگاہ بصیرت کسی بات کو آنکھیں بند کر کے ماننے کیلئے تیار نہ تھی اور آپ کا قلبِ متجسّس ہر دعوے کے لئے علمی دلیل کا متلاشی تھا۔ فطرت کی کرم گستری تھی کہ آپ کو اقبالؒ جیسے عظیم مفکر قرآن کی صحبت میسر آگئی۔ فیضانِ اقبالؒ سے آپ کو قرآن فہمی کا صحیح طریق معلوم ہوا۔ آپ کہتے ہیں کہ فکرِ اقبالؒ سے تین بنیادی نکات میری سمجھ میں آئے۔

1- قرآنِ کریم اپنے آپ کو نور (روشنی) کہتا ہے۔ اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی خارجی ذریعے کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو خود دکھاتی ہے' اور اس کے ساتھ ہی تمام اشیاء کی اصل و حقیقت کو بھی واضح کر دیتی ہے۔

2- یہ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب ہے۔ اس لئے اسے صحیح طور پر سمجھنے کیلئے "محاورہ عرب" کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ محاورہ عرب سے مراد یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ قرآنِ کریم میں جو الفاظ آئے ہیں' زمانۂ نزول قرآن میں عرب ان کا کیا مفہوم سمجھتے تھے۔

3- اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس نے قرآنِ کریم کے مفاہیم کو تصریفِ آیات سے واضح کیا ہے۔ تصریفِ آیات کے معنی ہیں آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانا۔ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ اس میں ایک حقیقت اگر ایک مقام پر بیان کی گئی ہے تو

اس کی مزید وضاحت بالتفصیل دوسرے مقام میں آئی ہے۔ ان میں اضافہ کہیں اور کیا گیا ہے۔ استثناء کہیں اور! پھر اہم حقائق کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے انہیں سیاق و سباق کی روشنی میں مختلف مقامات پر دہرایا گیا ہے۔" (تبویب القرآن۔ ص 5-6)

قرآن فہمی کا یہ طریق عربی زبان کے اصول و قواعد کے عین مطابق ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی شہادت خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے لہٰذا بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن فہمی کا یہ طریق علامہ اقبالؒ کا نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمودہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم قرآن کریم کی رہنمائی میں اُٹھتا تھا۔ آپؐ ایک فصیح البیان عرب تھے۔ آپ کا بچپن ایسے ماحول میں گزرا جس کے لوگوں کی صاف، ستھری، اُجلی نکھری زبان تھی، جسے عربوں کے ہاں سند مانا جاتا تھا۔ آپؐ نے یقیناً صحابہ اکرامؓ کو قرآنِ کریم اسی طریق پر سمجھایا ہو گا، اور اسی طریق پر معاشرتی نظم و نسق اور امورِ مملکت سرانجام دینے کیلئے احکام مستنبط کئے ہوں گے۔ لیکن بعد کے دور میں، بالخصوص جب قرآنِ کریم کی تعلیم و تدریس کی مسندیں ٹھیٹھ ملاؤں اور مستبد حکمرانوں کے حاشیہ بردار فقہاء نے سنبھالیں، تو انہوں نے عام مسلمانوں پر علم و عرفان کے تمام دیئے گل کر دیئے اور قرآن فہمی کے جملہ حقوق اپنے حق میں محفوظ کر لئے۔ قرآن فہمی کے مذکورہ بالا طریقے کا انکار کیا اور احادیث کو قرآن فہمی کا مستند ذریعہ قرار دیا۔ اس مقصد کے لئے احادیث کے ضخیم مجموعے وجود میں آئے جو زیادہ تر قصے کہانیوں پر مشتمل تھے۔ ان میں بہت کم احادیث ہیں جن میں اصولی مبحث پائے جاتے ہیں۔ اس طریق کار سے عوام کو فائدہ ہو یا نہ ہو، مذہبی پیشوائیت کو خوب استحکام حاصل ہوتا ہے۔ عام مسلمان وہی کچھ سمجھنے، سوچنے اور کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو مولوی صاحبان چاہتے ہیں، اور یوں مذہبی پیشوائیت کی گرفت عوام پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ علماء و فقہا کا یہ طریق کار قرآن کریم کے ان احکامات کے صریحاً خلاف تھا جن کے مطابق اس کتابِ حکمت کے رموز و اسرار جاننے کے لئے ہر انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں غور و فکر کا حکم نہ تو خاص افراد کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خاص زمانے تک محدود۔ یہ کتابِ عظیم تمام انسانوں کے لئے، قیامت تک کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے۔ اس لئے اس پر غور و فکر کرنا اہلِ ایمان کا بنیادی فریضہ ہے۔

علامہ اقبالؒ اور دیگر ممتاز دانشوروں کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے بکمال ہمت اور بدقتِ نگاہ قرآن فہمی کے صحیح طریق کی طرف اُمّت کی رہنمائی کی۔ لیکن چونکہ اُمّت کی اکثریت کچھ اَن پڑھ اور کچھ پڑھے لکھے جاہلوں پر مشتمل ہے اور وہ مولویوں کے شکنجے میں بری طرح کسی ہوئی ہے لہٰذا وہ غور و فکر کرنے کے قابل ہی نہیں۔ غور و تدبّر کے لحاظ سے وہ مرفوع القلم ہیں۔ خال خال ایسے لوگ نظر آئیں گے جو باوجود مولویوں کے کفر و الحاد کے فتوؤں کے قرآنِ کریم پر غور و تدبر کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ پرویزؒ صاحب کا شمار بھی انہی گنتی کے چند افراد میں ہوتا ہے۔ آپ نے قرآنِ کریم کے حقائق پر کم و بیش 50 سال تک غور و فکر کیا اور اس کا صحیح فہم و ادراک حاصل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی۔ آپ

نے اس کتابِ عظیم سے جو فیض بھی حاصل کیا' خالص علم و بصیرت کے اصولوں کے مطابق کیا اور اس حقیقت کو از سرِ نو ثابت کیا کہ قرآنِ کریم نور ہے۔ اور نور کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنے وجود کو ظاہر کرنے کے لئے کسی بھی خارجی ذریعے کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ اپنے معانی اور تفاسیر خود بیان کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کو سمجھنے کیلئے فقط اتنا ضروری ہے کہ انسان کو محاورۂ عرب اور تصریف آیات کا علم حاصل ہو۔ اس طریق پر ہر انسان بآسانی قرآنِ کریم کا فہم حاصل کر سکتا ہے اور اس کے مطابق چل کر کامیاب زندگی بسر کر سکتا ہے۔

محترم پرویزؒ صاحب نے عمر بھر قرآن فہمی کا یہی طریق اختیار کئے رکھا۔ آپ کی تحریریں ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور زندگی کے ہر مسئلے پر رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ آپ نے قلمی کاوش کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا جو آڈیو/ویڈیو کیسٹس پر محفوظ ہے۔ آپ کی اس تمام جدّوجہد کا مطلوب و مقصود فقط اتنا تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ آپ کا ایمان تھا کہ انسان کی اکملیت' افضلیت اور شرف و مجد کا راز اس کتابِ عظیم کی رُشد و ہدایت کے اتباع میں ہے۔ آپ نے یہ محنت کسی صلے یا جزا کے لالچ میں نہیں کی۔ صلہ تو درکنار آپ کسی شکریے تک کے بھی متمنّی نہ تھے۔ آپ نے یہ خدمت بے لوث ہو کر بلا مزد و معاوضہ خالصتاً" لوجہ اللہ سرانجام دی۔

آپ حضورؐ پاک کے سچے اور پکے شیدائی تھے

آپ کا ایمان تھا کہ

حضورؐ پاک کا ہر قدم قرآنِ کریم کی روشنی میں اُٹھا ہے۔ للذا آپ نے بھی اسی کتاب الفرقان کو مشعل راہ بنایا۔ آپ نے کبھی بھی اپنی بات کو حرفِ آخر نہیں کہا اور نہ ہی کبھی اس کی صحت پر اصرار کیا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف آپ یوں کرتے ہیں :

"آخر میں' پھر اس حقیقت کو دہرا دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ مفہوم القرآن میں پیش کیا گیا ہے وہ فہم قرآن کی انسانی کوشش ہے اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی' نہ اسے کبھی حرفِ آخر کہا جا سکتا ہے۔ میں نے قرآن فہمی کے سلسلے میں اپنی بصیرت کے مطابق ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ اگر میری یہ کوشش نتیجہ خیز ہوئی' تو مجھ سے بہتر صلاحیتیں رکھنے والے' اسے واضح سے واضح تر کرتے جائیں گے' اور یوں یہ سلسلہ قانونِ کائنات کے مطابق اپنی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائیگا۔ قرآن فہمی کا یہ سلسلہ نہ کسی دَور میں ختم ہو سکتا ہے' نہ کسی انسان تک پہنچ کر رک سکتا ہے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہو گا' قرآنی حقائق بیش از بیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ هی حتی مطلع الفجر۔" (مفہوم القرآن از پرویزؒ۔ ص۔ ط)

ہمارے ہاں مولوی حضرات کے نزدیک اسلام میں ہر نئی بات کو بدعت کہا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ بدعتیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (کل جدید بدعة وکل بدعة ضلالة) مولوی حضرات اسے حدیث نبویؐ کہتے ہیں (معاذ اللہ) لیکن قرآن کریم اس کی نفی کرتا ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک یہ ایک کافرانہ روش ہے۔ ارشاد ہے : **وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ** (26:5)۔ "کفار کی حالت یہ

ہے کہ جب بھی ان کی طرف خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی ایسا حکم آتا ہے جو ان کے مسلک میں پہلے سے موجود نہ ہو تو یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں" قرآن کریم کے مطابق یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ علم الافلاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں کل تک ہمارے تخیل میں بھی نہ تھیں آج وہی حقیقتِ ثابتہ بن کر ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا جا رہا ہے افلاک کا دائرہ پیچھے ہٹتے ہوئے وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ سورۃ الذاریت میں اس حقیقت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے : **وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ** "آسمان کو ہم نے اپنی طاقت سے بنایا اور ہم اس کی مسلسل توسیع کئے جا رہے ہیں۔ (51:47)"۔ کائنات کی ان پھیلتی ہوئی وسعتوں کا اثر انسانی تہذیب و تمدّن پر بھی مرتّب ہو رہا ہے اور یہ اسی نسبت سے مسلسل تغیّر پذیر ہے۔ اگر ہم صرف نبی اکرمؐ کے دور سے موازنہ کریں تو آج کے دور اور اس دور کے معاشرتی رویوں اور تعلقات میں بہت فرق پیدا ہو چکا ہے۔ انسانی زندگی کے تقاضے بدل گئے ہیں۔ مسائل کی نوعیت مختلف ہو گئی ہے۔ اب ان سے نمٹنے کے لئے اصول تو قرآنِ کریم کے ہوں گے لیکن طریقۂ کار نیا اختیار کرنا پڑیگا۔ لہٰذا یہ قطعی باور نہیں کیا جا سکتا کہ حضورؐ نے اجتہاد کی مخالفت کی ہو گی۔ اجتہاد تو قرآنِ کریم کی رُوح ہے۔ یہی تو وہ ذریعہ ہے جس کی بنیاد پر ہم نئے نئے مسائل کو قرآنِ کریم کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں اور قرآن کریم کو جدید انکشافات سے ہم آہنگ رکھ سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے : **سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ** ہم ان کے انفس اور آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ یہ حقیقت ان کے سامنے کھل کر آجائے گی کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا وہ حق پر مبنی تھا (41:53)

اس آیۂ جلیلہ کے مطابق قرآنِ کریم پر غور و فکر کرنے کے دروازے کیسے بند کئے جا سکتے ہیں اور کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ قرآنِ کریم پر مزید غور و فکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اصول و قوانین کی جن جزئیات کو خدا نے خود متعیّن نہیں کیا ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور دوسرے یہ کہ جن جزئیات کو رسولؐ اللہ نے متعین کیا ہے ان کے متعلق آپؐ کا منشاء بھی یہ نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لئے ناقابلِ تغیّر و تبدل رہیں۔ اسی لئے حضورؐ نے انہیں محفوظ کر کے اُمّت کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ ان کی کتابت کو بھی روک دیا۔ قرآن کریم کے ان احکام کے تابع مولوی حضرات کا فرض بنتا تھا کہ وہ پرویزؒ صاحب کے تدبّر فی القرآن کا احترام کرتے کیونکہ آپ نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے قرآنِ کریم اور نئے دور کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ لیکن مولوی حضرات اپنی حرکتوں سے کب باز آتے ہیں انہوں نے پرویزؒ صاحب کو بدعتی قرار دیا اور لٹھ لیکر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ آپ پر الزام ہے کہ آپ قرآنِ کریم کو عقل و بصیرت کی رُو سے سمجھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ قرآن فہمی کے اس اسلوب میں یوں تو کئی نقائص بیان کئے جاتے ہیں لیکن ان میں سے دو کا عام چرچا کیا جاتا ہے۔ اولاً" یہ کہ یہ طریق حضورؐ کے فہم قرآن کی نفی کرتا ہے اور ثانیاً" یہ کہ اس طریق پر

کہ اُمت بہت بڑے تفرقہ کا شکار ہو جائیگی- ہم ان دونوں اعتراضات کا بالتفصیل جائزہ لیں گے- اس لئے کہ ان کی بنیاد پر نہ صرف پرویزؒ صاحب پر بلکہ تحریک طلوع اسلام پر دو نہایت سنگین الزامات (انکار حدیث اور پرویزی فرقہ) عائد کیئے جاتے ہیں- جن کی کوئی حقیقت نہیں- اگر یہ معاملہ صرف پرویزؒ صاحب کی ذات تک محدود ہوتا تو ہم کبھی بھی اس کی تردید پیش نہ کرتے- پرویزؒ صاحب کا معاملہ اب خدا کے سپرد ہے- نہ وہ ہمارے حساب و کتاب کا ذمّہ دار ہے اور نہ ہی ہم اس کے حساب و کتاب کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے- وہ اپنے اعمال بھگتیں گے اور ہم اپنے اعمال بھگتیں گے- لیکن یہ الزامات ایک ایسی تحریک کی راہ میں رُکاوٹ بن رہے ہیں جو قرآنی نظامِ رَبوبیت کی پیامبر ہے- جس کا مشن انسانی فوز و فلاح کے سوا کچھ نہیں- جو انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلانا چاہتی ہے- سرمایہ پرستی اور ہوس کی ان زنجیروں کو کاٹ دینا چاہتی ہے جو انسان کو انسانیت کی طرف ایک قدم بڑھنے نہیں دے رہیں- جو انسانوں کو مولویوں کی سحر آفرینی سے نکال کر علم و بصیرت کی روشن راہوں پر چلانا چاہتی ہے- یہ تحریک اگر ان الزامات کے بوجھ تلے دبی رہی تو انسانیت کے ساتھ یہ بہت بڑا ظلم ہو گا- لہٰذا ہم مذکورہ بالا دونوں اعتراضات پر مقدور بھر بحث کریں گے اور اس حقیقت کو قابلِ فہم بنانے کی کوشش کریں گے کہ علم و بصیرت کی رُو سے قرآن فہمی کا اثر نہ تو حضورؐ کی ذات اقدس پر پڑتا ہے اور نہ ہی اُمت مسلمہ اس طرح کسی تفرقہ کا شکار ہو گی- بلکہ قرائن اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں-

جیسا کہ چند سطور پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن فہمی کا یہ طریق (علم و بصیرت کی رُو سے قرآن سمجھنا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمودہٗ ہے اور یہ عربی زبان کے اصول و قواعد کے عین مطابق ہے- ہم اس طریق کی تھوڑی سی مزید وضاحت کریں گے تاکہ بات سمجھ میں آجائے- قرآنِ کریم کی جن آیات سے علم و بصیرت کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے وہ نصوص کا درجہ رکھتی ہیں- مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت نمبر6 اور 7 کو لیجئے- ان آیۂ کریمہ میں انسانی فہم و بصیرت کو کفر و ایمان کی بنیاد قرار دیا ہے- اس کے مطابق مومن اس لئے مومن ہوتا ہے کہ وہ عقل و بصیرت سے کام لیتا ہے اور کافر اس لئے کافر ہوتا ہے کہ وہ سوچ و فکر سے کام نہیں لیتا- نبی کریمؐ سے کہا: **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ** ط اے رسول! کفار پر تمہاری تنذیرات کا کچھ اثر نہیں پڑیگا- یہ ایمان نہیں لائیں گے- **خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ** ط **وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ** ؗ ط اس لئے کہ یہ لوگ تمہاری بات کو سنتے ہی نہیں اور چونکہ یہ خدا کے احکام کی مسلسل خلاف ورزی کئے جا رہے ہیں لہٰذا ان پر سوچ و فکر کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں- سورۃ اعراف کی آیت 179 میں فرمایا کہ انسان اور حیوان کے مابین خط امتیاز یہ ہے کہ انسان کو عقل و شعور کی قوت حاصل ہے جبکہ حیوان ان سے محروم ہیں- اگر کوئی انسان عقل و شعور سے کام نہیں لیتا تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا- بلکہ ایسے انسان حیوانوں سے بدتر حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور یوں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دونوں جہانوں کو جہنم بنا لیتے ہیں- کہا: **وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ** صلے- انسانوں کی اکثریت خواہ

وہ جن ہوں یا انس- وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں- اس لئے کہ وہ عقل و شعور سے کام نہیں لیتے۔ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا**- ان کے قلوب سوچ و فکر سے خالی ہوتے ہیں- ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم ہوتی ہیں اور ان کے کان سماعت سے عاری ہوتے ہیں- **اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ** یہ لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ پست اور ابتر زندگی- **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ**- یہ لوگ بڑے بے حس اور لاپرواہ ہوتے ہیں-

سورۃ الانفال کی آیت 22 میں ایسے لوگوں کو بدترین مخلوق قرار دیا- کہا : **اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ**- "قانونِ خداوندی کی رُو سے بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے-"

اور سورۃ الملک کی آیت 10 میں فرمایا کہ روزِ قیامت یہ لوگ بصد حسرت و یاس اس حقیقت کا اعتراف کریں گے : **لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ**۝ اے کاش ہم فہم و فراست سے کام لیتے- ہم بات کو سنتے اور عقل کو استعمال کرتے- تو کبھی بھی اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے- ان آیاتِ کریمہ سے یہ حقیقت مزید نکھر کر نگاہوں میں سما جاتی ہے کہ غور و فکر کرنا انسان کی بنیادی صفت ہے اور جو لوگ اس سے کام نہیں لیتے وہ زندگی کی خوشحالیوں اور کامرانیوں سے محروم رہتے ہیں- قرآنِ کریم چونکہ ضابطۂ حیات ہے لہٰذا اس پر غور و فکر کرنا بنیادی اہمیت کا حامل ہے- قرآنِ کریم کے احکام و قوانین پر بغیر غور و فکر کئے عمل پیرا نہیں ہوا جا سکتا' اور نہ ہی ان سے مطلوبہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں- اس ضمن میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے دور میں قرآنِ کریم پر تا حدِّ امکان غور و تدبر ہو چکا ہے اور احکام و قوانین کی جو تعبیر و تشریح احادیث میں بیان ہو چکی ہے بس وہی کافی ہے' مذکورہ بالا قرآنی آیات کی نفی کرتا ہے-

ہم قرآنِ کریم کی رُو سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے- اس تغیر پذیر کائنات میں ثبات صرف اصولوں کو حاصل ہے- ان اصولوں کی جزئیات بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ مسلسل بدلتی رہیں گی- اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس تغیر پذیر دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنا مشکل ہو جاتا ہے- دوسرے ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ انسان ایک ناطق حیوان ہے- اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے کے لئے مسلسل غور و فکر کی ضرورت ہے- غور و فکر کرنا کائنات اور نفسِ انسانی کی تخلیق کا بنیادی تقاضا ہے- اگر انسان اسے ترک کر دے تو وہ اس خوبصورت جہان کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ ہر شے کے لیے جہنم بنا دیگا- نبی اکرمؐ نے قرآنِ کریم کے احکام و قوانین پر مبنی جو راہیں تجویز کیں وہ آپؐ کے دورِ مبارک کے تقاضوں کے مطابق انسانی نفس کی نشوونما کیلئے بہترین ذریعہ تھیں- اسی طرح آپؐ نے اُمّت کے سیاسی استحکام' معاشی خوشحالی اور معاشرتی ہم آہنگی کے لئے قرآنِ کریم کے اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات مرتب کیں وہ آپؐ کے نظامِ حکومت کی بہترین رہنمائی کرتی تھیں- صدرِ اوّل کے مسلمانوں کو جو عزتِ نفس اور اُمّتِ مسلمہ کو اقوامِ عالم میں جو ممتاز مقام حاصل تھا وہ ایوانِ نبویؐ کے

مدبّرانہ اور فہم و فراست پر مبنی احکام و فرامین کا حتمی نتیجہ تھے۔ لیکن ان سے یہ قطعی طور پر مقصود نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا کہ یہ ہر دور کے انسانوں کے لئے مفید اور کارگر ثابت ہونگے۔ اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا : **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** محمدؐ بجز ایں نیست کہ وہ ایک رسول ہے۔ **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط اس سے پہلے، اسی طرح بہت سے رسول آئے اور اپنا فریضۂ رسالت ادا کر کے چلے گئے۔ **اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ** ط لہٰذا، اگر یہ رسول بھی کل کو مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم سمجھو گے کہ اس کی موت سے یہ سارا آئین زندگی ختم ہو جائیگا۔ اور تم اپنی قدیم روش کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ **وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا**۔ وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔ **وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۝** لیکن جو بھی اس آئین کا دامن تھامے رکھے گا اور اس کے اصولوں کی قدر شناسی کریگا تو اسے یقیناً اس کی کوششوں کا بھرپور صلہ ملے گا۔ (3:143)۔ اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اصولوں پر مبنی نظام، شخصیات کا محتاج نہیں ہوتا۔ عام شخصیتیں تو ایک طرف، اس باب میں محمدؐ جیسی بلند ترین شخصیت بھی مستثنیٰ نہیں۔

نظامِ حیات کی اساس اصول و قوانین پر ہوتی ہے اور اس کا استحکام ان پر مسلسل غور و فکر کا مرہونِ منّت ہوتا ہے۔ جو اقوام اپنے نظامِ حیات کے اصول و قوانین پر مسلسل غور و فکر کرتی رہتی ہیں اور یوں بدلتے حالات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ رکھتی ہیں وہ زندگی کی دوڑ میں سب سے آگے نکل جاتی ہیں۔ ان کے برعکس جو اقوام اپنے اُوپر غور و فکر کے دروازے بند کر لیتی ہیں وہ مسکنت و ذِلّت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ مسلم اقوام کی آج یہی حالت ہے۔ یہ ایک کوڑھ زدہ اور اندھی قوم بن کر رہ گئی ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام انہیں نفرت اور حقارت سے دیکھتی ہیں اور اپنے قریب تک پھٹکنے نہیں دیتیں۔ اگر یہ اپنے نظامِ حیات کے بنیادی اصولوں پر غور و فکر جاری رکھتے اور ان کی روشنی میں اپنے لئے نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے تو آج ان کا مقام سب سے بلند ہوتا۔ کیونکہ قرآنِ کریم کے اصول و قوانین میں جو قوّت اور برکت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی بھی نظامِ زندگی میں موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ قوم اسلاف پرستی اور تقلید کا شکار ہو گئی۔ ان میں سے بعض کو روایات نے اور بعض کو فقہاء کے اقوال نے جکڑ لیا۔ ان کا ہر قدم انہی کے اِتّباع میں اُٹھتا ہے۔ اس میں نہ تو قرآنِ کریم کا اور نہ ہی ان کی اپنی سوچ و فکر کا کوئی دخل ہوتا ہے۔ **وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ**۔

ہم مندرجہ بالا سطور میں دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغ انداز میں اس حقیقت کو واضح کیا کہ تم اپنی زندگی اور قوت کا راز اپنے نظام کے استحکام میں سمجھو۔ اسے شخصیتوں کے ساتھ وابستہ مت کرو۔ نظام دائمی ہوتے ہیں جبکہ شخصیتیں فانی ہیں۔ اور اس باب میں نبیؐ اکرمؐ جیسی بلند ترین شخصیت کی مثال دی۔ اس ارشادِ کریمہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ہم قرآنِ کریم کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں غور و فکر کر کے اپنے لئے راستہ تلاش کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ ہمارا فرض بنتا ہے۔ اور ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن اس ضمن

خداوندی کے علی الرغم یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ مسلمان اب کچھ نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہمارے اسلاف نے بڑی محنت کی ہے اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس روش پر سختی سے کاربند رہیں۔ اگر اس ڈگر سے کوئی ذرّہ بھر بھی اِدھر اُدھر ہٹتا ہے تو وہ منکرِ احادیث کہلاتا ہے۔ خدا نے کہا تھا کہ اگر نبی مر گیا تو پھر کیا کرو گے؟ ہم نے کہا ہم نبی کو مرنے ہی نہیں دیں گے۔ ہم اسے اس کے اقوال کی صورت میں زندہ رکھیں گے۔

محترم پرویزؒ صاحب پر انکارِ حدیث کا الزام اسی نوعیت کا ہے۔ لیکن اسے مولوی حضرات بیان کرتے ہوئے ایسا تأثر دیتے ہیں جیسے پرویزؒ صاحب (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کی ذات کے انکاری ہیں۔ پرویزؒ صاحب ایک سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ آپ نے رسولؐ اللہ کی سیرت قرآنِ کریم کے اصولوں کی روشنی میں مرتّب کی ہے جسے پڑھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص کیسے منکرِ رسالت یا منکرِ حدیث کہلا سکتا ہے۔ کاش کہ آپ پر الزام لگانے والے اس کتاب کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کر لیتے! آپ کو احادیث سے انکار نہیں تھا۔ بلکہ مقامِ احادیث سے اختلاف تھا۔ آپ کے نزدیک ہمیں قرآنِ کریم کو ہر شے پر مقدّم رکھنا چاہئے۔ اگر رسولؐ اللہ زندہ ہوتے تو وہ کبھی کسی کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ ان کے اقوال و افعال کو قرآن کی مثل قرار دیا جائے۔ تاریخ شاہد ہے بلکہ خود قرآنِ کریم کے اندر اس امر کی شہادت موجود ہے کہ سابقہ اُمم نے بھی یہی غلطی کی تھی۔ وہ اپنے انبیاءِ کرام کی عقیدت اور غلوّ میں اس قدر آگے بڑھیں کہ انہیں الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا۔ قرآنِ کریم اس روش کی سختی سے نفی کرتا ہے۔ وہ اپنی ہم عصر اقوام سے کہتا ہے: **قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ**۔ ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر رکھو۔ اس سے آگے نہ بڑھاؤ۔ خدا کو خدا مانو۔ رسول کو رسول...... (5:77)۔ روزِ قیامت جب ہر نبی اپنی امت پر شاہد بن کر آئے گا تو اس سے پوچھا جائے گا۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا ہے: **وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ**ؕ اللہ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا تمہارے بعد تمہاری اُمت نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو معبود بنا کر خدائی کا درجہ دیدیا تھا اور کہتے تھے کہ یہ خود تمہاری تعلیم تھی۔ کیا تم نے ان سے ایسا کہا تھا؟۔ **قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِى بِحَقٍّ**ؕ وہ اس کے جواب میں کہے گا کہ تیری ذات اس سے بلند ہے کہ تیرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے۔ مجھے بھلا یہ کب زیب دیتا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق حاصل نہیں تھا..... (5:116)۔

قرآنِ کریم کی ان تعلیمات کی روشنی میں بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ بھی اپنے آپ کو اُمتِ مسلمہ کے ان تمام عقاید و نظریات سے بری الذّمہ قرار دیں گے جو "الحق" کے علاوہ ہیں۔ اور الحق صرف قرآنِ کریم ہے۔ قرآنِ کریم انسان سے مسلسل غور و فکر کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ کئی آیات ایسی ہیں کہ جن کی حقیقت ابھی آشکارا ہونا باقی ہے (41:53)۔ لہٰذا' قرآن کیسے غور و فکر کے دروازے بند کر سکتا ہے؟ اسی لئے نزولِ

قرآن کے دور میں مومنین سے واضح طور پر کہہ دیا تھا: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ**۔ اے جماعتِ مومنین! جن چیزوں کی تفصیل ہم نے نہیں دی، تم ان کے متعلق کرید کرید کر نہ پوچھا کرو کیونکہ اگر ہم نے ان تفاصیل کو بھی متعین کر دیا تو وہ بھی غیر متبدل قرار پا جائیں گی۔ اور جب وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکیں گی تو ان کا نباہنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اور اس طرح وہ تفاصیل تم پر ناگوار گزریں گی۔ **وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ** اور یہ ظاہر ہے کہ جب نزولِ وحی کا سلسلہ جاری ہے تو تمہارے اصرار پر ان امور کو ظاہر کر دیا جائیگا۔ بہرحال تم اس کا خاص خیال رکھو۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا ہے اس سے ہم در گذر کرتے ہیں۔ آئندہ کے لئے تم احتیاط برتو۔ خدا کے قانون میں سابقہ لغزشوں پر بُردباری اور معافی کی گنجائش موجود ہے۔ (5:101)۔ رسولؐ اللہ اور جماعتِ مومنین ان حقائق سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ قرآنِ کریم ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نازل ہُوا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو انہی امور تک محدود رکھا جو ان کے دور سے متعلق تھے۔ اس سے زیادہ نہ پوچھا گیا اور نہ ہی رسولؐ اللہ نے تشریح فرمائی۔ صحابہؓ نے جو پوچھا اور آپؐ نے جو تشریح فرمائی وہ بھی دامنِ قرآن میں محفوظ کر دی گئی۔ پورے قرآن میں لگ بھگ تیرہ مقامات ہیں جہاں صحابہؓ نے مزید تشریح کی ضرورت محسوس کی اور ان کے متعلق حضورؐ سے استفسار فرمایا۔ اگر اس سے زیادہ تشریح طلب مقامات ہوتے تو ہمیں یقین ہے قرآنِ کریم انہیں بھی اپنے دامن میں محفوظ کر لیتا۔ یہ جو گلی گلی، اور قریہ قریہ گھوم پھر کر علم اکٹھا کیا گیا ہے یہ حقائق نہیں بلکہ زیادہ تر کہانیاں ہیں۔ حقائق قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ صدرِ اوّل میں جو حالات و واقعات پیش آئے وہ اس دور کی تاریخ کا حصّہ ہیں۔ اور تاریخ کا جو فطری سفر ہے اس کے مطابق یہ قائم و دائم رہیں گے۔ ان کی اہمیت و افادیت کا تعیّن ہر دور اپنے تقاضوں کے مطابق کریگا۔ نئے حالات، نئے واقعات، اور نئے معاملات پر قرآنِ کریم کی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے از سرِ نو غور و فکر کرنا ہو گا۔ تدبّر فی القرآن کا یہی صحیح طریق ہے اور تادمِ کائنات جاری رہیگا۔ ایسے احکام اور ایسے فیصلے صادر کرنا جن کی نوعیت ابدی اور ہمہ گیر ہو ان کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ **اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ**۔ (6:57)۔ بالکل واضح اور اٹل آیت ہے۔ انسان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ابدی اور ہمہ گیر فیصلے کر سکے۔ انسان زمان و مکان کی قید میں ہے۔ لہٰذا، اس کے فیصلے بھی ان حدود میں مقید ہیں۔ جونہی زمان و مکان میں کوئی تبدیلی نمودار ہوتی ہے، انسانی فیصلوں کی افادیت بدل جاتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر قرآنِ کریم نے واضح طور پر اعلان کیا: **مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ**۔ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطہ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے۔ **ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ**۔ اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ **وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ**

بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ- اس کی تعلیم یہی ہو گی کہ تم سب اس کتابِ خداوندی کی اطاعت سے' جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور جس پر غور و تدبّر سے اس کے مغز تک پہنچتے ہو' ربّانی بن جاؤ- یعنی وہ قوم کہ جو معاشرتی اِرتقاء اور نشوونما کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتی ہے- (3:78)-

محترم پرویزؒ صاحب اسی طور قرآنِ کریم کی تعلیم و تدریس کرتے رہے- فکر و عمل کے نقطۂ نظر سے مسلمان من حیث القوم ایک عرصہ سے جمود و تعطّل کا شکار ہیں- آپ چاہتے تھے کہ یہ اس جمود و تعطّل کو توڑ کر فکر و عمل کی قوت سے سرشار ہو جائے اور ربوبیتِ عالمینی کی ذمّہ داریاں سنبھال سکے جو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر رکھی ہیں- آپ کے نزدیک انسانی معاشرے میں عظیم تر ربوبیت کا نظام اس وقت قائم ہو گا جب نوعِ انسان قرآنِ کریم کی صراطِ مستقیم پر جادہٗ پیا ہو گی- آپ نے اپنے اس نظریئے کو ایسے بھرپور اور مؤثر انداز میں پیش کیا کہ ہمارے بعض اسلاف پرست علماء کو گمان گذرا کہ کہیں آپ اس کے پس پردہ انکارِ رسالت کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی- جو شخص اپنے آپ کو قرآن کا ادنیٰ طالب علم سمجھتا ہو- جس نے اپنی مختصر زندگی کے پچاس برس اس کتابِ عظیم پر غور و تدبّر کرنے میں صرف کیئے ہوں اور جس نے عمر بھر ایک ٹکے کا لالچ نہ کیا ہو اور نہ شہرت کا متمنّی رہا ہو وہ کیسے ایک ایسی باسعادت ہستی کا انکار کر سکتا ہے جس کا قلب مطہرہ وحیؑ خداوندی کا موہبت ہو' جو صاحبِ قرآن ہو اور جو قرآنِ کریم کے اوصافِ حمیدہ کا اعلیٰ ترین نمونہ ہو ! قرآن کریم پر غور و تدبّر کی دعوت سے قطعی یہ مراد نہیں کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کے ساتھ محاذ آرائی کی دعوت دی جا رہی ہے- بلکہ یہی تو آپؐ کی سُنّت کا صحیح اتباع ہے- قرآنِ کریم پر غور و تدبّر کرنے سے مقامِ نبوّت کی جو عظمت دلوں پر نقش ہوتی ہے اور آپؐ کی ذاتِ اقدس کے لئے قلب کی گہرائیوں میں جو عزّت و احترام پیدا ہوتا ہے وہ اُن خرافات سے قطعی پیدا نہیں ہو سکتا جن کی اکثریت انا پرست اور مفاد پرست طبقوں کی تراشیدہ اور من گھڑت کہانیوں پر مشتمل ہے-

محترم پرویزؒ صاحب کی تصنیفات اور آڈیو/ویڈیو کیسٹس پر قرآنِ کریم کے درس جو کہ قصّے کہانیوں سے مبرا خالص قرآنی تعلیمات پر مبنی ہیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ آپ ایک سچے عاشق رسول تھے- اس میں سے کوئی کتاب یا درس بھی پڑھ سُن لیجئے آپ کو یقین ہو جائیگا کہ پرویزؒ صاحب پر انکارِ حدیث کا الزام سراسر زیادتی اور تہمت ہے- بشرطیکہ آپ اسے ہر طرح کے تعصّب اور عناد سے بلند ہو کر خالص علمی نقطہ نگاہ سے پڑھیں- یہ لٹریچر گذشتہ پچاس سال سے سرِعام دستیاب اور تقریباً ہر نامور عالم کی نظر سے گذر چکا ہے- لیکن آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ پرویزؒ صاحب کی ایک دلیل کو بھی علمی طور پر یا قرآنِ کریم کی کسوٹی پر پرکھ کر ردّ کر سکے-

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء رات کو پرویزؒ صاحب کا مفہوم القرآن پڑھتے ہیں اور صبح مساجد میں خطبے دیتے ہیں اور یوں روشن دماغ اور وسیع النظر کہلاتے

ہیں۔

پرویزؒ صاحب پر جتنے الزامات بھی عاید کیئے گئے ہیں۔ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ ہمارے مولویوں کو تو جھوٹ بولتے ہوئے بالکل شرم نہیں آتی۔ ان کم بختوں کی تو روزِ قیامت بھی زبان قینچی کی طرح چلے گی اور اللہ تعالٰی کو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرانا پڑیگا۔ یہ دنیا میں بھی اندھے ہیں اور آخرت میں بھی انہیں روشنی نصیب نہیں ہو گی۔ یہ امر باعثِ عبرت بھی ہی اور ندامت بھی کہ یہ جو خود کو وارث الانبیاء قرار دیتے ہیں اور دین کی مسندوں پر براجمان ہیں کیا سیاست' کیا مذہب' کیا علم و فکر ہر جگہ تنگدلی' تنگ نظری' عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ اختلاف رائے کو الحاد و ارتداد اور زیغ و زندقہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے سے مختلف سوچ رکھنے والے کو فوراً اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ (معلوم نہیں انہیں اپنے صراط مستقیم پر ہونے کا یقین کس گمان کی بنیاد پر ہوتا ہے؟) اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس پر معاش و حیات دونوں کے دروازے بند کرنے کو جہاد اکبر قرار دیتے ہیں۔ اور تعذیب و تعزیر کے اس جاہلی شعور و شر سے قرن مظلمہ کی مسیحی احتسابی عدالتوں کی خون آشام اور لرزہ خیز یادوں کو تازہ کرتے ہیں۔

ہمیں اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ پرویزؒ صاحب کا فہم قرآن ایک انسانی کوشش ہے اور کوئی بھی انسانی کوشش نہ تو اٹل ہوتی ہے اور نہ ہی سہو و خطاء سے منزہ۔ اس کی صحت پر شک اور اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ شک و اختلاف ہی سے علم و عرفان کی نمود ہوتی ہے۔ اگر سب لوگ باہمی طور پر متفق ہو جائیں تو علم کی ترقی بالکل رک جائے۔ تہذیب و تمدن کے تمام راستے مسدود ہو جائیں اور انسان سطح حیوانی سے کبھی بلند نہ ہو سکے۔ ہر زمانہ اور ہر معاشرہ روشن دماغی' وسیع القلبی' اور خرد افروزی کا جویا ہوتا ہے اور کشادہ قلب و نظر کی راہیں تلاش کرتا ہے۔ اور جولانیِ فکر و نظر کے لئے ترستا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فکر و بیاں کی آزادی ہی سے تہذیب و تمدن کا' ثقافت و حضارت کا' علم و حکمت کا فروغ و استحکام وابستہ ہے۔ شک و اختلاف ندیمانِ جذیمہ کی طرح علم کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں جو تحقیق و تنقیح کے ہر سفر میں اس کے ہمرکاب رہتے ہیں۔ جو بحث و استدلال کے ہر مرحلے میں اس کے سمندِ شوق کو تیز کرتے ہیں۔ مگر انتہائی افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پرویزؒ صاحب سے متعلق جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا ہے وہ سب بے بنیاد ہیں۔ آپ کی فکر و نظر سے اختلاف علمی نہیں بلکہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے۔ اس میں الزام تراشی اور دشنام طرازی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا۔ مثال کے طور پر درج ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے :

"پچاس سال بعد کچھ کلرک ریٹائر ہوئے' کچھ یورپ زدہ حضرات احادیث کی تشریحات سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ جنہیں نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور قربانی وغیرہ مسائل کسی طرح پسند نہ تھے۔ انہوں نے نظریہ تو مولوی عبداللہ صاحب سے مستعار لیا لیکن اپنے سابقہ تجربے سے فائدہ اٹھا کر نماز' روزہ' ارکان اسلام کو کچھ غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور فرمایا یہ سب وقتی احکام تھے جو اس وقت اُمت کو دیئے گئے تھے۔ اب دنیا بہت آگے نکل چکی ہے۔ وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں' یہ نماز' وضو' روزے'

عبادات پرانا فرسودہ فلسفہ ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں زندگی کی دوڑ میں یورپ سے آگے نکلنا ہے۔ اس لئے اب عورت کو برقعہ اتار پھینکنا چاہئے' اسے حق ملنا چاہئے کہ وہ سرِ محفل اپنے حسن کی نمائش کرے' یہ کلب میں دوستوں سے ملے' مرد کو خواہ مخواہ اس پر بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔ ہر ایک کو اپنی خواہشات پوری کرنے کا حق ہے۔ یہ پابندیاں اور شرم و حیا یہ حدیثوں نے دین میں شامل کی ہیں۔ اب قرآن کے الفاظ یا ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اب صرف مفہوم اور مقصد سمجھنا چاہئے اور قرآن اور اسلام کو نئے تقاضوں اور زندگی کی جدید راہوں سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اگر یہ کشادگی اسلام میں پیدا نہ کی جا سکی تو زندگی آگے نکل جائیگی۔ اسلام پیچھے رہ جائیگا۔ اس لئے قرآن کی تشریح وقت کے مطابق ہونی چاہئے۔ حدیث کی حیثیت غیر مستند تاریخ کی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو کبھی اس طرف بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ لیکن اس کی تفصیلات اور آنحضرتؐ کے قول' فعل اور آپؐ کی خاموشیاں اگر دین تصور ہوں تو اسلام تنگ ہو جائے گا اور مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں رہنا ناممکن ہو جائیگا۔ انہیں قانون کی اساس نہیں بنانا چاہئے۔ پیش آمدہ حوادث کے متعلق ہر زمانہ میں اس وقت کے لوگ اپنے حالات کے مطابق قرآن کی تفسیر کریں گے۔ تفسیر میں خلف' یا سلف' یا آنحضرتؐ کے ارشادات کی پابندی قطعاً" نہیں ہو گی۔ بلکہ یہ مجتہد اور مفتر حضرات جمہور کے انتخاب سے مقرر ہوں گے..... اس قسم کے منتخب نمائندوں سے ایک مرکزِ ملّت تشکیل پائے گا۔ ہر زمانے کا مرکزِ ملّت احکامِ اسلامی' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' نکاح و طلاق' بیوع و اجارہ' میراث' اموال غنیمت' ٹیکس وغیرہ کے متعلق آزادانہ فیصلے کرے گا۔ وہ پیغمبرؐ اور صحابہؓ کے فیصلوں سے آزاد ہو گا۔ کسی دوسرے مرکزِ ملّت کے فیصلے بھی اس کے لئے شرعی یا دینی حیثیت نہیں رکھیں گے۔"

(حجیت حدیث از مولانا اسماعیل سلفی۔ ص 62-63)

یہ اقتباس جس کتاب سے لیا گیا ہے وہ لگ بھگ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع سے آخر تک مصنف نے اسی لب و لہجے میں بحث و استدلال کیا ہے۔ اس اقتباس کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو بھی ہیں (اقتباس میں ان کا نام نہیں لیا گیا) انتہائی خطرناک لوگ ہیں اور کفر و الحاد میں قادیانیوں سے بھی دو قدم آگے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک سادہ لوح اور مخلص مسلمان یہ کچھ پڑھ لینے کے بعد ان لوگوں کو کیسے مسلمان سمجھ سکتا ہے وہ تو تلملا اُٹھتا ہے اور سوچتا ہے کہ آج تک اس گروہ کو ایک اسلامی مملکت میں ٹکنے کیوں دیا۔ وہ اس گروہ سے دل و دماغ کی گہرائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور جگہ جگہ ان کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس اقتباس کا ایک ایک لفظ جھوٹ و افتراء پر مبنی ہے۔ مصنّف موصوف نے اپنی کسی بات کے لئے بھی کوئی حوالہ یا سند نہیں پیش کی۔ یہ اقتباس مذہبی جنون اور تعصب کی بدترین مثال ہے۔ اور اس کا مقصد جذباتیت اور استہزاء کی بنا پر پرویزؒ صاحب کو نکّو بنانا ہے تاکہ لوگ پرویزؒ صاحب سے نفرت کریں اور ان کی کتابیں نہ پڑھیں۔ ہم حیران ہیں کہ لوگ ایسے کھلے جھوٹ کے مرتکب ہو کر روزِ آخرت خدا اور رسولؐ کو کیسے منہ دکھائیں گے۔ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے لیکن وہ جھوٹ جو مولوی حضرات بولتے ہیں وہ

نہ صرف لنگڑے لولے بلکہ ننگ دھڑنگ بھی ہوتے ہیں۔ محولہ بالا اقتباس میں جو اول فول بکا ہے وہ غیر مستند اور بغیر ثبوت کے ہے۔ مولوی صاحبان جب نماز کے بعد قیلولہ فرماتے ہیں تو ان منحوس خیالات کا نزول اس دوران ہوتا ہے۔ عام طور پر انہیں شیطانی خیالات کہا جاتا ہے۔ لیکن مولوی صاحبان اس مردود کا حوالہ دینا پسند نہیں کرتے۔ یہ چونکہ بے بنیاد ہوتے ہیں لہٰذا زیادہ دیر تک انہیں قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ چند ہی سطور آگے چل کر جو کچھ مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا ہے اس کی خود ہی نفی کر دی۔ فرماتے ہیں :

"ہمارے سامنے مرکز ملت کے مرتبین کی کوئی ایسی مکمل تحریر نہیں جس سے اس کی پوری پوری حقیقت معلوم کی جا سکے نہ ہی ان حلقوں سے' جہاں تک ہمارا علم ہے، کوئی ایسا دستور اور منشور شائع ہوا ہے جس سے مرکزِ ملّت کا مفصّل پروگرام اور طریقِ عمل معلوم ہو۔ نہ ہی اس کی دستوری حیثیت کا کوئی مرقع ہماری نظر میں ہے۔ جسے نئے منکرینِ سنّت کی جماعت نے شائع کیا ہو۔ اس لئے ہماری تنقیدی گذارشات اس کی امکانی یا متحمل مشکلات سے متعلق ہونگی۔" (ص 64)

آپ نے ملاحظہ فرمایا ! پہلے مرکزِ ملّت کو تمام گمراہیوں کا ذمہ دار گردانا بعد میں اس کی نفی کر دی کہ ہم مرکزِ ملّت کے بارے میں بالیقین کچھ نہیں جانتے۔ اسے کہتے ہیں فرضی کہانی جو کہ مولویوں کا پیشہ ہے۔ مولوی صاحب نے قانونی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ تو پرویزؒ صاحب کا اور نہ ہی طلوع اسلام کا نام لیا ہے۔ خدا کرے یہ سچ ہو اور جو لوگ ہدفِ تنقید بنے ہیں ان کا تعلق پرویزؒ صاحب کے پڑوس سے ہو۔ بہرحال' جیسے کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ الزامات کوئی معمولی نوعیت کے نہیں۔ ان کا تعلق اگر کسی خاص فرد یا فرقہ سے ہوتا تو ہم اس کی تردید کبھی پیش نہ کرتے۔ لیکن ان کا اثر ایک عالمگیر تحریک پر پڑ رہا ہے۔ لہٰذا ان کی تردید اور وضاحت ہم بار بار پیش کریں گے۔ یہ معذرت خواہی نہیں بلکہ اثباتِ حق ہے۔ تحریکِ طلوع اسلام کوئی عام تحریک نہیں ہے۔ اس کی جدوجہد کا منتہٰی و مقصود مفادِ عاجلہ کا حصول نہیں بلکہ ربوبیتِ عالمینی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہے۔ یہ زمان و مکان کے قیود سے ماوراء تحریک ہے۔ یہ ہر انسان اور ہر دور کی تحریک ہے۔ ہر قلبِ سلیم اس کا رکن ہے اور ہر عملِ صالح سے اسے نسبت ہے۔ لہٰذا اسے کسی خاص فرقے سے موسوم کرنا یا مخصوص عقاید و نظریات کا حامل قرار دینا سراسر زیادتی اور بہتان ہے۔ پرویزؒ صاحب کا ہم احترام کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک عالمِ دین ہیں۔ اسی طرح ہم ہر عالمِ دین کا احترام کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو ہر انسان کا احترام کرتے ہیں۔ احترامِ آدمیت کا تقاضا ہے کہ ہم دوسروں کے جذبات و احساسات' ان کے افکار و عقاید کا احترام کریں۔ ان کی تضحیک و توہین سے احتراز کریں' ان کا تمسخر نہ اڑائیں اور انہیں ہتک آمیز سلوک کا نشانہ نہ بنائیں۔ انہیں بھلے تسلیم نہ کریں ! انہیں بے شک کج فہمی' کم نگاہی' اور ژولیدہ فکری کا نتیجہ قرار دیں۔ مگر' بہرحال ان کے فکر و بیاں کی آزادی کے بنیادی انسانی حق کو بغیر کسی ذہنی تحفظ کے کھلے دل سے قبول کریں۔ انہیں تکفیر کا مورد نہ ٹھہرائیں اور ان پر عرصۂ حیات تنگ نہ کریں۔

الزامات
اور ان کی حقیقت

بدقسمتی سے پاکستان میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس نے اپنی زندگی کا مشن یہ قرار دے رکھا ہے کہ طلوع اسلام کے خلاف بے بنیاد الزامات تراشے جائیں اور پھر انہیں ملک میں اس شدومد سے پھیلایا جائے کہ لوگ اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر طلوع اسلام کی بات تک سننا گوارا نہ کریں۔ چونکہ اس جھوٹے پراپیگنڈہ میں اس طبقہ کے سامنے ایک خاص مقصد ہے' اور وہ ایسا دانستہ کرتے ہیں' اس لئے ان لوگوں سے کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ البتہ جو سادہ لوح اور نیک نیت انسان ان کے پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر دل میں غلط خیال قائم کر لیتے ہیں' ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مختصر الفاظ میں اصل حقیقت ان کے سامنے پیش کر دی جائے تاکہ وہ اس بدظنی سے بچ جائیں جسے قرآن مجید نے یہ کہہ کر گناہ قرار دیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (49/12)

"اے ایمان والو! کسی کے خلاف بدظنی سے بہت زیادہ بچو' اس لئے کہ بعض بدظنی (انسان کو) گناہ (تک پہنچا دیتی) ہے۔

پہلا الزام : طلوع اسلام منکر حدیث ہے۔

یہ الزام قطعاً" غلط ہے۔ ہم جو کہتے ہیں صرف اس قدر ہے کہ نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ' انسانی شرف اور کردار کی انتہائی بلندی پر ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتب روایات میں ایسی باتیں بھی آگئی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت پر طعن پڑتا ہے۔ غیر مسلم انہی روایات کی بناء پر آئے دن حضورؐ کی ذات اقدس پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس قسم کی روایات وضعی ہیں۔ ان کے متعلق ہمیں صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہئے کہ وہ رسولؐ اللہ کے اقوال و افعال نہیں ہیں۔ یہی ہیں وہ روایات' جن کے صحیح ہونے سے ہم انکار کرتے ہیں۔ مثلاً" ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا (بخاری)۔ ہم اسے صحیح حدیث نہیں مانتے' اور ہمارا خیال ہے کہ آپ بھی صحیح نہیں مانتے ہوں گے۔ اس قسم کی حدیثوں کے متعلق ہم کہتے یہ ہیں کہ یہ رسولؐ اللہ کی ہو نہیں سکتیں۔ یہ وضعی ہیں اور حضورؐ کی طرف یونہی منسوب کر دی گئی ہیں۔ یعنی ہم رسولؐ اللہ کی حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے یہ ہیں کہ اس قسم کی احادیث کی حضورؐ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے۔

ایسی روایات کو چھوڑ کر' وہ احادیث جو نہ قرآن مجید کے خلاف ہوں اور نہ جن سے نبی اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف کوئی طعن پڑتا ہو' ہم انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

دوسرا الزام : طلوع اسلام منکر سنّت ہے۔

اس سنگین ترین الزام کی تردید میں ہم اس سے زیادہ کچھ اور کہنا ضروری نہیں سمجھتے کہ پرویز

صاحب کی مایہ ناز کتاب' معراج انسانیت' کا ایک اقتباس درج کر دیں جو طلوع اسلام کے صفحات میں کئی بار پیش کیا جاچکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت' اور کسی اور ہادیء طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جس کو دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رو

(معراج انسانیت' ایڈیشن 1994ء صفحہ 175)

جس کا یہ ایمان ہو کیا اسے منکر سنت کہا جا سکتا ہے؟

تیسرا الزام : طلوعِ اسلام رسالت پر ایمان ضروری نہیں سمجھتا۔

اس الزام کی تردید میں بھی ہم پرویزؒ صاحب کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ وہ "سلیم کے نام خطوط" (جلد اول' صفحہ 84) میں لکھتے ہیں۔

" ذرا سوچو کہ جب ایک مسلمان کہتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے تو اس کے پاس اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ قرآن واقعی خدا کا کلام ہے! (معاذ اللہ ! رسولؐ اللہ کا خود ساختہ نہیں)۔ تاریخ شاہد ہے (اور اس کا ہمیں بھی اقرار ہے کہ دنیا کو قرآن **محمدؐ ابنِ عبداللہ** نے دیا تھا۔ پھر یہ خدا کا کلام کیسے ہوا اس کا صرف ایک ہی ثبوت ہے کہ **محمدؐ ابن عبداللہ** نے یہ کہا ہے کہ یہ کلام میرا نہیں' خدا کا ہے۔ اس لئے جب تک کوئی شخص **محمدؐ** رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پر ایمان نہ لائے' قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان نہیں لا سکتا"۔

چوتھا الزام : طلوع اسلام سنتِ رسولؐ اللہ کو حجت نہیں مانتا

جیسا کہ الزام نمبر 6 کے تحت آپ دیکھیں گے' طلوع اسلام کا عقیدہ اور مسلک یہ ہے کہ مختلف ارکانِ اسلام (نماز' روزہ وغیرہ) کو اُمّت کے مختلف فرقے' جس جس طریقے سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں' کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل کر سکے' یا کوئی نیا طریقہ وضع کرے۔

اب سوچئے کہ جو شخص (مثلاً) نماز کے مروّجہ طریقہ میں نہ خود ردّ و بدل کرتا ہے نہ کسی اور شخص کو اس کا حق دیتا ہے' وہ سنتِ رسولؐ اللہ کو حجت نہیں مانتا تو اور کیا کرتا ہے۔ حجت کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اسے مستند سمجھا جائے اور کسی شخص کو اس میں ردّ و بدل کرنے کا مجاز نہ سمجھا جائے۔

پانچواں الزام : طلوعِ اسلام حکومت کی اطاعت کو خدا و رسول کی اطاعت قرار دیتا ہے

اس الزام کی تردید میں ہم پرویزؒ صاحب کے اس خط کا متعلقہ اقتباس درج کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو انہوں نے (کفر کے فتویٰ کے جواب میں) مفتی محمد شفیع صاحب کے نام لکھا تھا۔

"اطاعتِ رسول اور اطاعتِ خدا کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔ جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا اور رسولؐ کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدتِ اُمّت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی۔ اس سے اُمّت میں افتراق پیدا ہوا۔ اُمّت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم کی جائے اور اس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو بغرضِ اختصار، مرکزِ ملّت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں۔ میں نہ ہر نظامِ حکومت کو اسلامی نظام کہتا ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ اسے مرکزِ ملّت قرار دیا جا سکتا ہے۔

(طلوع اسلام - مئی جون 62ء صفحہ 152-153)

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اپنے آپ کو نہ اس وقت ان طریقوں میں کسی قسم کے ردّ و بدل کرنے کا مجاز سمجھتے ہیں جن پر اُمّت کاربند ہے، نہ خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھیں گے۔ ہم اُس وقت اُس طریقے کے مطابق چلیں گے جس پر وہ خلافت ہمیں چلائے گی۔ البتہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر دین کی حکمت اور اُمّت کی بہتری کی خاطر وہ خلافت کسی سابقہ فیصلہ میں کچھ تبدیلی کرنا چاہے، تو وہ ایسا کرنے کی مجاز ہوگی (مثلاً) نبی اکرمؐ کے زمانہ میں تمام مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس طریق کو بدل دیا اور مفتوحہ زمینوں کو حکومت کی تحویل میں لے لیا، تاکہ اس سے افرادِ مملکت کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب پھر اسی قسم کی خلافت قائم ہو جائے جیسی حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھی، تو وہ اس قسم کے فیصلے کرنے کی مجاز ہوگی۔

چھٹا الزام: تین نمازیں، نو دن کے روزے

کہا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کہتا ہے کہ نمازیں صرف تین وقت کی ہیں اور روزے نو دن کے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ طلوع اسلام نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ اس کے برعکس ہم نے بار بار اعلان کیا ہے کہ اُمّت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے چلے آرہے ہیں، ہمیں ان میں کسی قسم کے تغیّر و تبدّل کا حق حاصل نہیں، نہ ہی کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کا ----- البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ

1- ان باتوں میں مختلف فرقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے ان کی بنا پر آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے ----- اور

2- نماز، روزہ وغیرہ کو محض رسمی طور پر ادا نہیں کر لینا چاہئے۔ اُس روح اور مقصد کو بھی سامنے رکھنا چاہئے جن کے لئے یہ احکام دیئے گئے تھے۔ رسمی نمازیں اور بے روح روزے، وہ انقلاب پیدا نہیں کر

سکتے جو انقلاب محمد رسولؐ اللہ والذین معہٗ نے دنیا میں پیدا کر کے دکھایا تھا۔

ساتواں الزام : اردو میں نماز

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طلوع اسلام نے اردو میں نماز پڑھنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ یہ طلوعِ اسلام کے خلاف کتنا بڑا جھوٹ ہے' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے کہ لاہور میں کسی صاحب نے عید کی نماز اردو میں پڑھائی۔ جب اس واقعہ کی خبر طلوع اسلام کو پہنچی (جس کا دفتر اس زمانہ میں کراچی میں تھا) تو اس نے سب سے پہلے اس کی مخالفت کی اور لاہور میں بڑے بڑے پوسٹر اس کے خلاف لگوائے۔ اس کے بعد یہ آج تک اس تحریک کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ طلوع اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کرنے والے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے ہیں۔

آٹھواں الزام : طلوع اسلام ایک نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

طلوعِ اسلام پہلے دن سے اعلان کرتا چلا آرہا ہے کہ اسلام دنیا میں اُمّتِ واحدہ پیدا کرنے کے لئے آیا تھا اور نبی اکرمؐ نے ایسی اُمّت پیدا کر کے دکھا دی تھی جس میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ قرآن کی رُو سے فرقہ بندی شرک ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس بات کو طلوعِ اسلام' خلاف اسلام اور شرک قرار دیتا ہے کیا وہ خود اس کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ کسی مذہبی فرقہ سے' نہ ہی وہ کوئی اپنی سیاسی پارٹی بنانا چاہتا ہے نہ مذہبی فرقہ۔ وہ اُمّت میں اِتّحاد کا علمبردار ہے اور پوری نوعِ انسانی کا ایک عالمگیر برادری بنانے کا داعی۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

نواں الزام : طلوعِ اسلام قرآن کو نئے معنی پہناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ قرآنِ کریم میں غور و فکر کرے۔ وہ اس میں غور و تدبّر نہ کرنے والوں کو بڑی سخت سرزنش کرتا ہے۔ وہ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کو حیوانات سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔

طلوعِ اسلام اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق' قرآنِ کریم میں غور و تدبّر کرتا ہے اور اس کے نتائج دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی سند خود قرآن سے پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ بالضرور اس کے پیش کردہ مفہوم کو صحیح سمجھے' نہ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے' غلطی سے مبرا اور حرفِ آخر ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے انفرادی غور و فکر کا حق کسی سے چھینا نہیں جا سکتا۔ آپ اس سے اختلاف کر سکتے ہیں' لیکن اسے غور و فکر کرنے سے نہیں روک سکتے؟ اگر کسی کو غور و فکر کا حق دیا جانا مقصود نہ ہوتا' تو اللہ تعالیٰ غور و فکر کرنے کا حکم کیوں دیتا؟

دسواں الزام : اسلاف کی مخالفت۔

اس سلسلے میں عوام کو یہ کہہ کر بھڑکایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ شخص (پرویز) یہ کہتا ہے کہ

1- قرآن کو آج تک میرے سوا کسی نے نہیں سمجھا۔

2- جو کچھ ہمارے پاس اسلاف سے آرہا ہے' اس کو دریا بُرد کر دینا چاہئے۔
3- تمہارے ائمہ اور اسلاف سب (معاذ اللہ) جاہل تھے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ کچھ نہ کبھی پرویزؒ صاحب نے کہا ہے' نہ طلوع اسلام نے۔ وہ کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ

"ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سلف سے جو کچھ تمہارے پاس آیا ہے وہ (معاذ اللہ) سب کا سب گمراہ کن ہے۔ ایسا کون کہہ سکتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں ان سے ملا ہے' آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی مت کرو بلکہ شمعِ قرآنی کی روشنی میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھو۔ وہ بھی ہماری طرح انسان تھے' غلطی کر سکتے تھے' لیکن قرآن کی کسوٹی کبھی غلطی نہیں کر سکتی"۔

(طلوع اسلام - بابت اکتوبر 49ء)

اس کا کہنا صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ اسلاف سے چلا آرہا ہے ہمیں چاہئے کہ اسے قرآنِ کریم کی روشنی میں پرکھ کر دیکھ لیں' جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے صحیح تسلیم کر لیں۔ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' ہماری کتُبِ روایات میں اور اسلاف کی کتابوں میں بعض باتیں ایسی آگئی ہیں جو قرآن کے خلاف جاتی ہیں۔ ان باتوں کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک وہ ہے جسے پرویزؒ صاحب نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"میرے نزدیک نہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی بات (معاذ اللہ) قرآن کے خلاف فرما سکتے تھے اور نہ ہی میں اُن بزرگوں کے متعلق ایسا گمان کر سکتا ہوں کہ انہوں نے قرآن کے خلاف کچھ پیش کیا ہو۔ لہٰذا یہ چیزیں رسولؐ اللہ اور ائمہ ملّت کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہیں (اور یہی عجم کی سازش تھی) اگر اس پر بھی کسی کو اصرار ہے کہ نہیں ! یہ باتیں رسولؐ اللہ (اور ائمہ کرامؒ) ہی کی ہیں تو میں صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ یہ جرأت آپ کو مبارک ہو۔ میں تو اس کے تصوّر سے بھی کانپتا ہوں کہ کسی ایسی بات کو جو قرآن مجید کے خلاف ہو' (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ یا حضورؐ کے کسی سچے متبع کی طرف منسوب کیا جائے"

(اسباب زوال امت' صفحہ 174)

سوچئے کہ کیا یہ شخص اسلاف کا زیادہ احترام کرتا ہے' یا وہ جو اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ باتیں جو قرآن کے خلاف ہیں ہمارے اسلاف نے ضرور کہی ہیں۔

گیارھواں الزام : دعویٰ نبوت

جب ان لوگوں سے کوئی اور بات بن نہیں پڑتی تو کہہ دیتے ہیں کہ تم دیکھ لینا۔ پرویز صاحب ایک دن نبوت کا دعویٰ کر دیں گے۔

پرویز صاحب کا عقیدہ یہ ہے (جس کا وہ سینکڑوں مقامات پر شرح و بسط سے اعلان کر چکے ہیں) کہ

1- نبی وہ ہے جسے خدا کی طرف سے وحی ملے۔
2- وحی سے مطلب ہے خدا کی طرف سے براہِ راست حقیقت کا علم حاصل ہونا۔
3- نبی اکرمؐ کے بعد خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔
4- ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب کسی شخص کو خدا کی طرف سے براہ راست کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے جو کچھ

دینا تھا' قرآن کریم میں دے دیا اور اسے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔

5- ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وحی کا دروازہ بند ہو گیا لیکن کشف اور الہام کا دروازہ کھُلا ہے۔ کشف اور الہام کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیز ختمِ نبوّت کے منافی ہے اور وہ سیڑھی ہے جس سے لوگ نبوّت تک کا دعویٰ کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے ان راستوں کا بند کرنا نہایت ضروری ہے۔

اب آپ سوچئے کہ جو شخص ختمِ نبوت کے بعد وحی تو ایک طرف کشف والہام کا بھی قائل نہ ہو وہ نبوت کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔ پرویز صاحب کا "دعویٰ" صرف اس قدر ہے کہ وہ قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم ہیں اور بس۔(اور چونکہ اب پرویز صاحب' اس قسم کا دعویٰ کئے بغیر اس جہان سے رخصت ہو چکے ہیں اس لئے اس الزام کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ طلوعِ اسلام)

بارھواں الزام : کمیونسٹ

ان جھوٹا پراپیگنڈا کرنے والوں کی دیدہ دلیری کی انتہا ہو جاتی ہے۔ جب یہ لوگوں میں مشہور کرتے ہیں کہ طلوعِ اسلام ملک میں کمیونزم پھیلاتا ہے۔ یہ کچھ اس طلوعِ اسلام کے خلاف کہا جاتا ہے جس نے تشکیلِ پاکستان سے اس وقت تک کمیونزم کے خلاف مسلسل جہاد شروع کر رکھا ہے اس نے مختلف انداز میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے لئے سب سے بڑا چیلنج کمیونزم ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ اس لئے

نہ کوئی مسلمان کبھی کمیونسٹ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہو سکتا ہے۔

(طلوعِ اسلام - ستمبر 1962ء' صفحہ 33)

اس لئے وہ دورِ حاضر میں کمیونزم کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے۔

البتہ وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ قرآنِ کریم جس قسم کا نظام قائم کرتا ہے اس میں کوئی شخص نہ بھوکا رہ سکتا ہے' نہ ننگا۔ اس میں ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری' مملکت پر ہوتی ہے۔ مملکت اپنی اس اہم اور عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے' ضرورت سمجھے تو ملک کے ذرائع پیداوار کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے لیکن مملکت کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی جس سے کسی فرد کی انفرادیت (Individuality) سلب ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام میں افراد کو طبعی ضروریات زندگی کی طرف سے اطمینان ہی اس لئے دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی وحیٔ خداوندی کے تابع رکھ کر اپنی ذات (انسانی صلاحیتوں) کی نشوونما کر سکیں اور اس طرح دنیا میں بھی سرفرازی و سربلندی کی زندگی بسر کریں اور حیات اُخروی میں زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو سکیں۔ سوچئے کہ کمیونزم کو' جو نہ وحیٔ خداوندی کو مانتی ہے اور نہ حیاتِ آخروی کو' اس نظامِ حیات سے کیا واسطہ؟

یہ ہیں مختصر الفاظ میں وہ الزامات' جو طلوع اسلام کے خلاف تراشے جاتے ہیں اور جن کا اس قدر ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی روشنی میں دیکھئے کہ کیا ان الزامات میں کوئی صداقت ہے؟ یہ لوگ طلوعِ اسلام کے خلاف اس قدر جھوٹا پراپیگنڈا اس لئے کرتے ہیں کہ طلوع اسلام اس تھیاکریسی کی مخالفت کرتا ہے جسے یہ لوگ یہاں

قائم کرنا چاہتے ہیں اور جس میں انسانیت کا گلا گھٹ کر رہ جاتا ہے۔

یہ حضرات طلوع اسلام کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈا تک ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ اس باب میں آپ مولانا مودودی صاحب کے ایک ممتاز اور پرانے معتقد حکیم عبدالرحیم اشرف کا ایک بیان سن لیجئے۔ جو ان کے اخبار "المنیر" بابت 19 ستمبر 1958ء میں شائع ہوا تھا (اشرف صاحب اب مودودی صاحب سے الگ ہو چکے ہیں) انہوں نے لکھا تھا:-

میں نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب سے 17 دسمبر 1957ء کو ملتان جیل میں ملاقات کی۔ اس موقعہ پر منجملہ دیگر امور کے "منکرین سنت" اور ان کے فتنے کا بھی ذکر آگیا۔ اس پر مولانا ممدوح نے اشاعت لٹریچر کی ایک اسکیم بتلائی اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں فرمایا کہ آپ چودھری غلام محمدؒ صاحب سے کہیں (جو اس زمانہ میں جماعت اسلامی سندھ کے قیم تھے) کہ دفتر طلوع اسلام سے رابطہ پیدا کریں' اور وہاں کسی شخص کی تالیف قلب کر کے ...... طلوع اسلام کے پتے حاصل کریں۔

آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جو لوگ رشوت دے کر پتے حاصل کرنے تک سے بھی گریز نہ کریں وہ الزام تراشی اور کذب بافی میں کیا باک محسوس کریں گے؟

(ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اشرف جاوید (پشاور)

علماء کیلئے لمحہ فکریہ

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

جب زبان سے صرف کھانے کیلئے چکھا جائے' کان سے صرف اپنے مطلب کی بات سنی جائے' آنکھوں سے صرف اپنا مفاد ہی دیکھا جائے' تو پھر اپنی ان ہی کرتوتوں (اعمال) کی وجہ سے قلب پر قفل لگ جاتے ہیں۔ قلب جو سوچ و فکر اور تدبر کا منبع ہوتا ہے' زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ آنکھوں پر تعصب کا پردہ آجاتا ہے۔ قوتِ ساعت مفلوج ہوجاتی ہے۔ بصیرت نامی چیز قلبِ انسانی سے کوچ کر جاتی ہے۔ پھر یہ اعضائے فکر و تدبّر اعضائے معطّل بن جاتے ہیں۔ نظر آتے ہیں لیکن بے کار (Functionless) ہوتے ہیں اور جس قوم کی سمجھنے سوچنے دیکھنے اور تدبر کرنے کی قوت سلب ہو جائے اس کا حال اسی طرح ہوتا ہے جس طرح آج مسلم قوم ساری دنیا میں اپنے ہی اعمال کی وجہ سے ذلیل و خوار ہے۔ اس کی ذمّہ داری بڑی حد تک ہماری مذہبی پیشوائیت پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارے وہ علماء جو قرآن کو منسوخ کرتے ہیں' جو اپنی مرضی کا قرآنی ترجمہ کرتے ہیں' جو روایات کو سمجھتے ہیں' جو کتاب اللہ سے مُردے بخشوانے یا تعویذ لکھنے کا کام لیتے ہیں' جو قرآن کی آیات کو (سستے داموں) فروخت کرتے ہیں' جو اپنی باتیں قرآن کی باتیں کہہ کر بیچتے ہیں' جو آمروں اور ظالم حکمرانوں کو Support کرتے ہیں' جو دلیل و برہان کا راستہ روکتے ہیں۔ جو دوسروں کو علمائے سوء کہتے ہیں اور خود علماء حق بنتے ہیں' جو قرآن کے علاوہ آنحضرتؐ کی طرف منسوب شدہ روایات کو وحی غیر متلو کہتے ہیں' جو وحی کو قابل تنسیخ سمجھتے ہیں' جو قرآن کی کچھ آیات کو مبہم (متشابہات) سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی علماء کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ میں ایک معمولی سمجھ بوجھ رکھنے میں اپنے طور پر قرآن پر کام کرنے والے علماء کی تفاسیر اور لغتیں پڑھتا ہوں۔ احادیثِ مبارکہ کو پڑھتا ہوں تو عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور قربانی کیلئے الگ الگ احکامات ہیں۔ اگر ایک حکم کی تائید کیلئے ایک حدیث پیش کرو تو اس کی مخالفت اور ردّ کیلئے دس دس احادیث مل جاتی ہیں۔ جب ان متضاد روایات کو دیکھتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ پھر تاریخ کے اوراق نظروں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ محمد شاہ رنگیلا' رشدی' راج پال' ولیم میور اور تسلیمہ نسرین کی منحوس شکلیں پردۂ سکرین پر آجاتی ہیں۔ ہم پریشان ہیں کہ ایک سنت کیسے کئی کئی طریقوں سے ادا ہوتی ہے۔ اور ہر کوئی اپنے کئے ہوئے طریقوں کو صحیح کہتا ہے۔

ایک بات کے دو دو مطالب کس طرح ہو سکتے ہیں۔ دو اور دو پانچ کیسے ہو سکتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ ایک ہی جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ ایمان ایمان ہی ہوتا ہے کمزور یا طاقتور کیسے ہوتا ہے؟ زکوٰۃ ساڑھے سات تولے سونے پر دینی ہے یا 52 تولے چاندی پر۔ کہاں تین ہزار کی چاندی اور کہاں چالیس ہزار کا سونا۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ تضاد کیوں ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی حکمت ہے۔ اسی تضاد کو دیکھتے ہوئے مستشرقین' دینِ اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں لیکن ہمارے راہنما ان لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ معاندینِ اسلام انہی احادیث کو بنیاد بنا کر ہمارے اللہ' دین' نبیؐ اور صحابہ کرامؓ پر کیچڑ اُچھالتے ہیں اور ہمارے علماء ان کے خلاف جلوس نکال کر مطمئن ہو جاتے ہیں یا پھر ان اہلِ علم پر فتوے عائد کرتے ہیں جو ان معاندین کو قرآن کی شستہ اور خوبصورت زبان میں جواب دیتے ہیں۔ سرسید احمد خانؒ' اقبالؒ اور علامہ پرویزؒ اس کی تازہ مثالیں ہیں۔ یہ بڑی واضح اور عام فہم بات ہے کہ قرآن اپنی تصدیق اور حفاظت کا خود ضامن ہے اور بڑے بڑے منکرینِ دین بھی اس بات کا کھلے عام اقرار کرتے ہیں کہ قرآن الفرقان چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اپنی اصلی حالت میں موجود اور محفوظ ہے۔ اس کا ایک شعشہ تک تبدیل نہیں ہوا جب کہ ہماری روایات کے متعلق کوئی حتمی تصدیق نہیں ہوتی کہ اس میں صحیح کون سی حدیث ہے اور غلط کون سی۔ ایک امام چھ لاکھ سے زیادہ احادیث جمع کرتے ہیں۔ دو ہزار کے لگ بھگ ان میں سے ٹھیک قرار پاتی ہیں۔ باقی پانچ لاکھ اٹھانوے ہزار غلط۔ کچھ ایسا ہی حال حدیث کے دوسرے جامعین کا ہے۔

ایک مثال دے رہا ہوں "خلیفہ منصور کا ایک دوست شرابی تھا۔ شرابی کیلئے 80 کوڑوں کی سزا تھی۔ خلیفہ منصور کے دوست نے کہا یار میں تو شراب کے بغیر رہ نہیں سکتا اور آپ 80 کوڑے مارتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ میں دین میں تو تحریف کر نہیں سکتا ہاں ایک حل نکالتے ہیں۔ جو کوئی شرابی کو پکڑ کر قاضی کے پاس لائے گا اس کو 30 کوڑے مارے جائیں گے اور شرابی کو 80 کوڑے"۔ یعنی دین بھی قائم اور یاری بھی برقرار۔" آج ساری مسلمان قوم ان کی ان مقدس حرکتوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اب تو زمانہ بڑا جدید ہے۔ سائنس نے بہت ترقی کی ہے۔ دنیا کا Vision بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اب ہمیں اپنے اصلی ضابطۂ حیات کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک مرکزی نقطہ پر اکٹھے ہونا ہے۔ ہم نے اپنی اپنی مساجدِ ضرار بنا کر دیکھ لی ہیں۔ ہمیں صرف اسی جگہ پناہ ملے گی جہاں کسی کو انگلی اُٹھانے کی جرات نہ ہو۔ اور وہ صرف اور صرف اللہ کا کلام قرآن (وحی) ہے۔ اگر ہم ان روایات کو بھی وحی کا درجہ دیں گے تو ان میں موجود تضادات کی بدولت اللہ کا دین بھی دوسرے مذاہب کی طرح ٹکڑیوں میں بٹ جائے گا۔

بہتّر (72) اسلام ہیں۔ ان کی ذیلی شاخوں کی بات نہیں کرتا۔ کہیں بریلوی ہیں تو کہیں وہابی۔ کہیں شیعہ ہیں تو کہیں سنی' کہیں پنج پیری' کہیں دیو بندی' کہیں نمازی ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کرتے ہیں اور کہیں ہاتھ چھوڑ کر۔ کسی نے داڑھی بالشت بھر رکھی ہے اور کسی نے مٹھی بھر۔ کسی نے مونچھیں منڈوا کر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور کوئی شلوار کو ٹخنوں سے اُوپر

کر کے اسلامی ہے۔ کوئی رفع یدین جائز سمجھتا ہے تو کوئی ناجائز۔ کوئی ہاتھ ناف پر باندھتا ہے اور کوئی سینے پر۔ زکوٰۃ اول تو کوئی دیتا ہی نہیں ہے اگر دینا چاہتا ہے تو پوچھتا ہے کہ حلال پر دینی ہے یا حرام مال پر۔ درودِ ابراہیمؑ زیادہ ثواب والا ہے کہ دوسرا۔ آمین بلند آواز میں کہنا ہے کہ آہستہ۔ امام کے پیچھے قرات جائز ہے کہ نہیں۔ سارا سال نمازیں باقاعدگی سے پڑھی جائیں یا عیدالفطر کے دن کسی مزار پر جا کر قضائے عمری ادا کر لی جائے۔ خلفاءِ راشدین سنّی تھے' وہابی تھے' شیعہ تھے یا پنج پیری؟ بعض سادہ لوگ یہ بھی پوچھ لیتے ہیں کہ آنحضرتؐ شافعی تھے' حنبلی تھے' مالکی یا حنفی۔ کیا کیا لطیفے بنے ہوئے ہیں۔ بقول شخصے۔

کس کی مانئے کس کی نہ مانئے
لاتے ہیں بزم یار سے خبریں الگ الگ

یہ ان بزرگ ہستیوں کی بات کر رہا ہوں جن کے دور میں نماز (نظام صلوٰۃ قائم تھا) نظامِ ربوبیت قائم تھا۔ زکوٰۃ حکومت دیتی تھی۔ اب حکومت تین ہزار پر زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے اور اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ ان کے دور میں کوئی بکری یا کتّا دریائے فرات کے کنارے بھوکا نہیں مرتا تھا۔ اب کتّا مرے نہ مرے انسان ضرور بھوکے مر رہے ہیں۔ امیر' امیر ترین اور غریب' غریب ترین ہو جاتا ہے۔ نماز و روزہ اور قربانی و حج کی یہ حالت ہے۔

صفیں کج دل پریشان سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

یا پھر

رگوں میں خوں باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کیا قربانی کا مقصد صرف جانوروں کو ذبح کر کے اس کا گوشت زمین میں دبانا تھا۔ کیا یہ وہ جذبہ نہ تھا کہ آپ دوسرے کیلئے کیا قربانی (Sacrify) کر سکتے ہیں۔ اسلام یہ رہ گیا کہ کانا اور سینگ ٹوٹا جانور ذبح نہیں کیا جا سکتا۔ کیا نماز رکوع و سجود اور قیام کا نام تھا یا انسانی اقدار کا احیاء تھا۔ عدل و انصاف کا دور' برابری کا نظام۔ کیا محمود و ایاز مسجد سے باہر بھی اسی طرح کندھے سے کندھا ملا کر چل سکتے ہیں۔ کیا شیطان کو کنکریاں مارنا حج کے اس مقصد کا اجراء نہ تھا کہ دنیا سے شیطانی نظام کا خاتمہ ہو۔ کیا ابراہیمؑ آگ میں اس لئے کوُدا تھا کہ اس کے دین حنیف کا ہم یہ حشر کرتے۔ کیا انہوں نے اپنی عزیز ترین اور قیمتی چیز کی قربانی اس لئے دی تھی کہ اپنے اندر تو کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں لیکن بے گناہ جانوروں کا خون بہا کر خوش ہو جائیں کہ قربانی ادا ہو گئی۔ کیا وہ اسی لئے آگ میں کودے تھے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

کیا یہ پاگل پن تھا؟ نہیں یہ سب اس آفاقی نظام (اسلام) کے احیاء کیلئے تھا۔ سرمایہ دارانہ' جاگیردارانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف ایک کھُلی بغاوت تھی۔ اب کیا ہے؟ رسمِ ازان ہے' روح بلالیؓ غائب ہے۔ صدقِ صدیقؓ ختم ہے۔ سخاوتِ عثمانؓ غائب ہے؟ عدلِ فاروقؓ ناپید ہے۔ یہ کیا اسلام ہے؟۔ کہ اپنی ماں اور بہن بھائی تو بھوکے مر جائیں اور زکوٰۃ ان پر جائز نہ ہو۔ سیّد فاقوں سے ہو اور زکوٰۃ نہ دی جا سکے۔ ایک مسجد کا امام اور مقتدی ساتھ والی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا۔ عقیدے کے لحاظ

سے دونوں اپنی اپنی جگہ پکے اور کٹّر مسلمان اور ایک دوسرے کیلئے دونوں کافر اور زندیق۔ تفرقے کی اس "رحمت" نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ کیا پاکستان کے علمائے دین (مذہبی پیشوا) ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ انکے اسلام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ان کے اوقاتِ صلاۃ الگ ہیں۔ روزہ اپنی اپنی اذان پر کھولتے ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اور آج کل دنیا میں مذہبی دہشت گردوں کی تنظیمیں ہیں۔ وہ کٹّر مسلمان کہلواتے ہیں۔ وہ کس طرح جہاد کرتے ہیں۔ اپنے ہی بھائی بندوں یعنی دوسرے مسلک کے مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور شہادت بھی حاصل کرتے ہیں۔ کافر کے خلاف جہاد منع ہے اور مخالف مسلک کے بندے مارنا کارِ ثواب ہے! کشمیر میں لڑنا منع ہے اور اپنے شہروں میں قتل و غارت کرنا جنّت کے حصول کا ذریعہ۔ افغانستان، صومالیہ، بحرین، سوڈان اور الجزائر کی مثالیں سامنے ہیں۔

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
یہ بتاؤ کہ کیا مسلمان بھی ہو
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اسلام کیا تھا؟ رواداری، محبت، یگانگت، اخوت، بھائی چارے، درگزر اور عفو کا دین تھا۔ سبھی مسلمانوں کے درمیان صرف ایک ہی رشتہ تھا۔ کلمے کا رشتہ، دین کا رشتہ۔ فتح مکّہ کے موقع پر اس کا اظہار ہوا۔ اور پھر آئندہ چالیس سال تک قائم رہا۔ سلمان فارسیؓ، اویس قرنیؓ، بلال حبشیؓ، ابوذرؓ بخاری، مصعبؓ بن عمیر، عمرؓ و صدیقؓ، علیؓ و عثمانؓ کے درمیان اسلام کا رشتہ تھا۔ حالانکہ ان میں اکثر غیر عربی اور ثقافت کے لحاظ سے بالکل مختلف تھے۔ جب اسلام لائے تو ایک ہی راستہ تھا۔ ایک ہی زندگی تھی اور ایک ہی نصب العین تھا۔ رنگ و نسل، وطن و قبیلے اور زبان کے رشتے ختم ہو گئے تھے۔ صرف ایک رنگ تھا جس میں وہ سب رنگے گئے یعنی صبغت اللہ (اسلام) کے رنگ میں۔ زبان کلمے کی، رنگ اللہ کا، قبیلہ مومنین کا، اور وطن اسلامی مملکت تھا۔ عجمی اور عربی میں افضلیت اعمال کی بنیاد پر تھی۔ کہاں زید بن حارثؓ ایک غلام اور کہاں قریش زادی حضرت زینبؓ۔ کہاں حضرت اسامہؓ اور کہاں حضرت علیؓ اور صدیق اکبرؓ۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یہ تھا اسلام۔

کیا کیا جائے ان علمائے دین کا جو ہمیں ایک دوسرے کے نزدیک ہی نہیں آنے دیتے۔ آیئے ذرا ان علماء کرام کو اپنے ہی جیّد علماءِ کرام کی نظر میں پرکھتے ہیں کہ ان "صلح جُو اور اتحاد کے علمبرداروں" کے متعلق آج سے صدیوں پہلے حضرت امام غزالیؒ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے مسلک بیان کرنے کے بعد تفرقہ باز اور نام نہاد علماء کے متعلق اپنی مشہور کتاب "احیائے علوم الدین" کے باب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن سے بیشتر ایمان نصیب ہوا تھا۔ لیکن عنقریب تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو کہیں گے کہ ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے۔ ہم سے زیادہ قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ ہم نے اس کا علم حاصل کر لیا ہے۔ ہم سے

زیادہ علم حاصل کرنے والا کون ہے؟ یہ اُمّت کے بڑے لوگ ہوں گے (جاہل عالم)- مصر کی جامعۃ الازہر مذہبی علوم کی قدیم ترین درس گاہ ہے (بلکہ یہ وہی درس گاہ ہے جس کے مرتّب کردہ کورس بارہ صدیوں سے ساری اسلامی دنیا میں پڑھائے جاتے ہیں اور آج کل یورپ میں کئی مقامات پر عیسائیوں اور یہودیوں نے اس طرح کی کئی یونیورسٹیاں خفیہ مقامات پر قائم کی ہوئی ہیں اور وہاں کے سند یافتہ عیسائی اور یہودی اسلامی ممالک میں چلے جاتے ہیں اور وہاں مساجد میں بطور امام تعینّات ہو کر ہر دو امام انہی علوم سے نقاط نکال کر فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں- ایک امام ایک حدیث کا حوالہ دیتا ہے تو دوسرا امام اس کے ردّ میں کئی احادیث اسی درس نظامی کے کورس سے پیش کرتا ہے- اس طرح دشمن ہم ہی سے سبق لیکر ہمیں ہی لتاڑ رہا ہے- اور ہمارے علماء اس پر خوش ہیں کہ ہمارا مقدس درسِ نظامی یہودی اور عیسائی بھی پڑھتے ہیں- اختلافات چونکہ باعثِ رحمت ہیں اس لئے سنّتِ رسولؐ مختلف طریقوں سے ادا ہو رہی ہے- خواہ ان کے اس عمل سے ساری مسلم قوم کیوں نہ تباہ ہو جائے- کمزور ہونا' غریب ہونا اور بے عزّت ہونا اگر آخرت میں جنّت کے حصول کا ذریعہ ہے- تو یہ لوگ پانچ سو سال پہلے جنّت میں جائیں گے- اس دنیا میں روٹی کپڑا ملے نہ ملے آخرت کی دنیا میں محلات ضرور ملیں گے- کیا خواہشاتِ مقدسہ ہیں؟ کیا خوش فہمیاں ہیں؟

اسی طرح جامع ازہر کے ایک اور اُستاد مفتی محمد عبدہ مرحوم جن کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے کے شاگرد (علامہ رشید ضیاء) لکھتے ہیں کہ "علماء ازہر اور ان کی قسم کے بڑے بڑے علماء و مشائخ ایسے لوگ ہیں جن کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں ہے- جو شخص ازہر اور اسی طرح کے دوسرے مدارس میں جتنی زیادہ مدت تک علم حاصل کریگا' اس کی تحصیلِ علم کی صلاحیت اتنی ہی کم ہوتی جائے گی-"

مزید دیکھنا ہو تو پاک و ہند کے جیّد عالم جناب علامہ عنایت اللہ المشرقیؒ کی کتاب "مولوی کا غلط مذہب" پڑھیں ساری حقیقت سامنے آجائے گی-

مولانا ابوالکلام اپنی مشہور تصنیف "تذکرہ" میں لکھتے ہیں- "سانپ اور بچھو اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن یہ سگانِ دنیا (علماء) اکٹھے نہیں ہو سکتے"- ان کو علامہ نے بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے اور ہمارے مدارس میں پڑھائے جانے والے کورس (درس نظامی کو) عجمیت اور یونانیت سے تعبیر کیا ہے- بلکہ اس سے بھی سخت الفاظ ان کی شان میں کہے ہیں ("تذکرہ" صفحہ 84-83)

ہمارے بیشتر علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام پر تحقیق و تفتیش کا کام پہلی صدی' دوسری صدی اور تیسری صدی ہجری میں مکمل ہو چکا ہے- اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے- اب اس کا نام اسلامی فقہ ہے اور اُمّتِ محمدیہؐ کا اس پر اجماع ہے"- علامہ اقبالؒ نے علماء کی اسی سوچ کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا تھا-

مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
دینِ کافر' فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

دوسری جگہ فرمایا-

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب

مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سُلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں اُلجھا ہوا
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

یہ سب جانتے ہوئے کہ یہ ارشادات انہی علماء کے متعلق ہیں، قرآن کی اس آیت (30:31) کے مطابق ہر فرقہ یکساں طور پر فریبِ نفس میں مبتلا ہے کہ یہ علماءِ سوء کے متعلق ہے، وہ خود علماءِ حق ہیں۔

ابھی کل ہی کی بات ہے۔ پاکستان میں ملّی یکجہتی کونسل وجود پذیر ہوئی۔ مقصد مختلف فرقوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا لیکن وقتِ نماز آیا تو نماز سب نے الگ الگ پڑھی۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح تورات اور زبور کو چھوڑ کر لوقا، متی، یوحنّا پر انحصار کرنے کی بجائے آیئے قرآن کو مضبوطی سے تھام لیں اور روایات کو چھانٹ کر ایسی فقہ تیار کریں جو قرآن کے عین مطابق اور سب کے لئے یکساں طور پر قابلِ قبول ہو۔

نئی کتب چھپ کر آگئی ہیں

الفتنۃالکبریٰ (ڈاکٹر طہٰ حسین مصری) -/240

جس میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے نازک ترین واقعات کا بڑے ذمہ دارانہ اور غیر جانبدارانہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔

اسلام پر کیا گزری (احمد امین مصری) -/200

اسلام کے اولین دور کی محققانہ سرگذشت احمد امین مصری بیان کرتے ہیں۔

علم الکلام اور الکلام (شبلی نعمانی) -/200

جس میں علم کلام کی ابتداء اور اس کے عہد بہ عہد کی وسعت، ترقی اور تغیرات کی نہایت تفصیلی تاریخ۔ اس کے علاوہ علم کلام جدید جس میں اسلام نے تمام عقائد کو فلسفہ حال کے مقابلہ میں نہایت بسیط انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ: **دوست ایسوسی ایٹس**

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ 54000 فون: 712-2981

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر بشیر احمد منگی (حیدر آباد)

قرآن کے خلاف سازشیں

انسان اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالے تو اسے معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اس کے لئے کیا کچھ پیدا نہیں کیا۔ یہ ہوا' یہ پانی' یہ دھرتی اور سب سے بڑھ کر انسان کا فی احسن تقویم جسم۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں لیکن ان احسانات میں سے اللہ نے جس احسان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ ہے۔ **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ....** (3/164)- یعنی اللہ نے مومنوں کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں قرآن دیا اور حکم دیا کہ تم قرآن جیسے ضابطہ حیات کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ (10/58)-

الحق :- قرآن نے اپنے آپ کو الحق کہا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ **وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ** (34/6)- یعنی اور اہل علم دیکھتے ہیں کہ وہ جو تیرے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہی الحق ہے۔

حق کسے کہتے ہیں؟ حق کی تعریف کیا ہے؟ اس کے لیے دیکھنا پڑے گا کہ حق کے لغوی معنی کیا ہیں؟ وہیں سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔ حق کے معنی تاج و راغب نے اپنی لغتوں میں اس طرح بیان کئے ہیں کہ کسی چیز کا اس طرح موجود' واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے انکار نہ کیا جا سکے۔ دوسرے لفظوں میں کسی چیز کا ٹھوس شکل میں نظروں کے سامنے آجانا۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق اپنے آپ کو خود منوا لیتا ہے۔ اس میں نظریات (Academic) بات نہیں ہوتی بلکہ چیز یا واقعہ مشہود ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ مزید یہ کہ حق کے لیے صرف ٹھوس ہونا ہی کافی نہیں بلکہ یہ تعمیری نوعیت کا ہو۔ یعنی اس میں ٹھوس ہونے کے ساتھ ساتھ نشوونما (Development) بھی ہو رہی ہو۔ اگر یہ چیز تعمیری نتائج مرتب نہ کر رہی ہو تو اس کو حق نہیں کہیں گے۔ لیکن نشوونما بھی وہی حق کہلائے گی جو زمانے کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو۔ یعنی زندگی کے جو بھی حالات اور مسائل پیدا ہوں حق ان کو حل کرتا ہے۔ جب یہ سب کچھ ہو گا تو پھر اس شے کو ہم حق کہیں گے۔

قرآن الحق ہے :- حق کے معنی سمجھنے کے بعد ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا حق عطا کیا ہے۔ یوں تو اللہ کی ذات بھی الحق ہے (10/30)- اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسولؐ بھی حق ہے (3/85)- اس کی طرف بھیجا ہوا قوانین خداوندی کا مجموعہ یعنی قرآن بھی الحق ہے (34/6)- اس کے علاوہ اللہ کے وعدے جنہیں قوانین خداوندی کہہ سکتے ہیں انہیں بھی حق کہا گیا ہے (10/55) اور سب سے بڑھ کر قرآن کے پیش کردہ نظام یعنی الدین کو بھی اللہ نے حق کہا ہے [illegible]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے خود ساختہ نظاموں کی جگہ اپنا نظام بھیجا جس نے آکر انسانیت کی تاریخ کو بدل دیا اور ہر قسم کے ظلم اور ناانصافی کو مٹا کر رکھ دیا- اس میں حاکم و محکوم کی تفریق باقی نہ رہی- بقول علامہ اقبالؒ ؎

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

قرآن کے خلاف سازشیں :- لیکن یہ انسانیت کا خون چوسنے والے کب برداشت کر سکتے تھے کہ وہ بھی محنت کریں- انہوں نے اس نظام کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں- اس نظام کی بنیاد--- (Base) چونکہ قرآن ہے لہٰذا انہوں نے وار ہی قرآن پر کیا- انہوں نے منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں سے قرآن ہی الگ کروایا جائے اور قرآن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کر دیئے-

جمع القرآن

پہلی سازش :- کہا گیا کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جمع نہیں ہوا تھا- بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع کیا گیا تھا- یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور ان کے ذریعے انسانیت کو آخری کتاب دی گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو محفوظ اور مرتب صورت میں نہیں دی- اس سلسلہ میں علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں اس کے متعلق بحث کی ہے- اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد حلیم صاحب انصاری نے کیا ہے- یہ حوالہ اسی کتاب سے انہی کے ترجمہ سے پیش کیا جاتا ہے- علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ **"حدثنا ابراہیم بن بشار حدثنا نفیان بن عیینہ-** عن الزہری عن عبید اور عبید بن ثابت" سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے کہا "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دارفانی سے رحلت فرما گئے اور اس وقت تک قرآن کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا-" پھر لکھتے ہیں کہ "الخطابی کا قول ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو مصحف میں اس واسطے جمع نہیں فرمایا کہ آپ کو اس کے بعض احکام یا تلاوت کے نسخ کرنے والے حکم کے نزول کا انتظار باقی تھا- مگر جب سرور عالم کی وفات کے باعث قرآن کا نزول ختم ہو گیا تو خدا نے اپنے اس سچے وعدہ کو وفا کرنے کے لئے جو ان سے اس امت کی حفاظت کے متعلق فرمایا تھا خلفائے راشدین کے دل میں یہ بات (قرآن جمع کرنے کی خواہش) ڈالی پھر اس عظیم الشان کام کا آغاز عمرؓ کے مشورے کے مطابق ابوبکرؓ کے ہاتھوں سے ہوا (حصہ اول صفحہ 153) یعنی قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں لکھا ہی نہیں گیا تھا-

اس سلسلہ میں علامہ تمنا عمادی مرحوم اپنی کتاب "جمع القرآن" کے صفحات 320 اور 321 پہ حدیث شریف صحیح بخاری، ترمذی اور نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

"جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہؓ حفاظ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو بڑی فکر پڑی- انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے آکر کہا کہ قرآن کی خبر لیجئے اگر اسی طرح لڑائیوں میں باقی حفاظ قرآن بھی شہید ہوتے رہے تو پھر قرآن باقی نہیں رہے گا- جلد سے جلد قرآن کو جمع کرا دیجئے- حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم اس

طرح کریں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بہرحال یہ کار خیر ضرور ہے۔ بار بار آکر حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کو سمجھاتے رہے تو وہ بات سمجھ گئے اور راضی ہو گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ تم کاتب وحی رہے ہو۔ جوان صالح ہو' تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں ہے۔ تم اس کام کو انجام دے ڈالو۔ وہ لرز گئے۔ بولے کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا' آپ کس طرح کرنا چاہتے ہیں اور کہتے تھے کہ اگر پہاڑ ڈھانے کے لئے مجھ سے کہتے تو مجھ پر یہ اتنا بار نہ ہوتا جتنا کہ جمع قرآن کا کام میرے لئے بار عظیم تھا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بار بار سمجھانے سے وہ بھی اس کی ضرورت سمجھ گئے اور جمع قرآن پر راضی ہو گئے اور پھر تختی' ٹھیکری' کھال' چھال جو کچھ جس کے پاس ملا' جس پر قرآن مجید کی آیتیں منتشر طور سے لکھی ہوئی تھیں سب سے لے لے کر جوڑ ملا ملا کر وہ لکھنے لگے اور آخر صحیفوں میں قرآن مجید کو جمع کر ڈالا۔ جب تک حضرت ابوبکرؓ زندہ رہے' صحیفے ان کے پاس محفوظ رکھے رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضے میں آئے۔ حضرت عمرؓ کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس (اللہ جانے کیوں) چلے گئے۔ اس جمع قرآن کے وقت حضرت زید بن ثابتؓ کو سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں یاد آئیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے مگر کسی دوسرے کے پاس ملتی نہ تھیں۔ آخر بڑی تلاش سے حضرت خزیمہ یا حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس مل گئیں تو ان کو سورہ توبہ کے آخر میں لگا دیا گیا۔ پھر ان دو آیتوں کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو ہم ان کو ایک سورت قرار دے کر الگ لکھواتے مگر دو ہی آیتیں ہیں اس لئے مجبوری ہے)۔ آخری سورہ برات تھی اس لئے اسی کے آخر میں وہ دونوں آیتیں جوڑ دینے کے لئے زید بن ثابتؓ سے کہہ دیا۔"

پھر تضاد ملاحظہ فرمایئے کہ اسی بخاری شریف میں یہ روایت بھی موجود ہے جو علامہ تمنا عمادی مرحوم نے اپنی اسی کتاب میں پیش کی ہے جو اس طرح ہے کہ

"عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار شخصوں نے قرآن مجید جمع کر لیا تھا اور چاروں انصاری تھے۔ ابی بن کعب' معاذ بن جبل' زید بن ثابت اور زید رضی اللہ عنہم (صفحہ 321-22)

یعنی ایک ہی کتاب میں دو متضاد باتیں۔ یہ صرف اس لیے کیا گیا کہ قرآن کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔

لکھا بھی جاتا تھا :- اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن مجید مختلف چیزوں پر لکھا بھی جاتا تھا۔ الاتقان کے صفحہ 157 پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

"حارث المحاسی اپنی کتاب فہم السنن میں بیان کرتا ہے کہ "قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلعم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن وہ قرآن جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں لکھا گیا تھا متفرق پرچوں' اونٹ کے شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں پر لکھا ہوا تھا اور ابوبکرؓ نے صرف اس کے نقل کرنے اور اکٹھا کر لینے کا حکم دیا اور یہ کاروائی بمنزلہ اس بات کے تھی [illegible] کچھ اوراق رسول اللہ صلعم کے [illegible] جن میں قرآن منتشر تھا [illegible] نے اکٹھا کر [illegible]

میں سے کوئی ٹکڑا ضائع نہ ہو جائے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ پرچوں کے رکھنے والوں اور لوگوں کے سینوں (حافظہ) پر کس طرح اعتماد کر لیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وہ لوگ ایسی معجز تالیف اور معروف نظم کا اظہار کرتے تھے جس کی تلاوت کرتے ہوئے بیس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے آئے تھے اور اس لحاظ سے یہ خوف بالکل نہ تھا کہ اس میں کوئی خارجی کلام ملا دیا جائے گا۔ ہاں ڈر اس بات کا تھا کہ مبادا اس کے صفحوں میں سے کوئی صفحہ ضائع ہو جائے۔ اور زید بن ثابتؓ کی حدیث میں پہلے یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ انہوں نے قرآن کو کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے جمع کیا اور ایک روایت میں چمڑے کے ٹکڑوں سے، دوسری میں شانہ کی ہڈیوں سے، تیسری میں پسلی کی ہڈیوں سے، اور چوتھی روایت میں اونٹ کی کاٹھیوں کی لکڑیوں سے۔ قرآن کا نقل کیا جانا بھی آیا ہے۔

آیات کا گم ہو جانا :- مزید یہ بھی کہا گیا کہ قرآن مجید کو جمع کرتے وقت دو آیتیں نہ مل سکیں۔ اس سلسلہ میں یہ بڑی مشہور بات (حدیث) ہے کہ آیہ رجم کو حضرت عائشہؓ کی بکری کھا گئی۔ اس سلسلے میں صحاح ستہ کی ایک کتاب میں ابن ماجہ میں روایت ملتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ :

"آیہ رجم (یعنی زانی کو سنگسار کرنے) اور آیہ رضاعت کبیر ایک صحیفہ میں تھی جو میرے تخت کے نیچے رکھا تھا۔ جب رسولؐ اللہ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ اس حادثہ میں مشغول تھے۔ اتنے میں گھر کی پالتو بکری آگئی اور اس صحیفہ کو کھا گئی (اور وہ آیتیں ضائع ہو گئیں)۔ (بحوالہ مقام حدیث صفحہ 175 شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور)۔ آیہ رجم اس طرح تھی :

الشیخ و الشیخة اذا زنیا فار جموهما البینة۔ (الاتقاہ حصہ دوم صفحہ 68)

قرآن میں غلطیاں رہ گئیں :- عام طور پر یہ عام بات قبول کی جاتی ہے کہ قرآن کریم حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جمع ہو گیا تھا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جو قرآن مجید جمع کیا تھا، اس میں بھی غلطیاں رہ گئیں۔ مقام حدیث کے صفحہ 181 پر درج ہے کہ امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر قرشی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ مصحف سے فارغ ہو گئے اور انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا تم لوگوں نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا مگر اس میں کچھ غلطیاں مجھے نظر آتی ہیں جنہیں عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے۔ یعنی حضرت عثمانؓ کے جمع شدہ قرآن میں بھی غلطیاں رہ گئیں۔

قرآن کی شہادت

لکھنے کا رواج :- جب قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت لکھنے پڑھنے کا رواج موجود تھا۔ سورہ بقرہ میں آتا ہے کہ **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ** (2/282)۔ یعنی اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔

اسی آیت میں بعد میں آتا ہے کہ کاتب تمہارے درمیان انصاف سے لکھے اور کاتب جیسا اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے۔ ...

لکھے اور جس کے ذمے (قرض) ہو وہ لکھائے (2/282)- یہاں سے مبینہ طور معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقت لکھنے کا رواج تھا تبھی تو قرآن نے لکھنے کا حکم دیا ہے- جب قرض جیسی چیز کا لین دین ہوتا تھا اور اس کو لکھا جاتا تھا تو کیا قرآن جیسی آخری اور عظیم چیز وہ بھی اللہ تعالیٰ کا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے یا لکھوانے کا انتظام نہیں کرتا ہو گا؟ مشرکین قرآن کے بارے میں کہتے تھے کہ **وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا** (25/5)- "یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لیں اور جو اسے صبح و شام لکھائی جاتی ہیں"-

ذالک الکتاب :- قرآن مجید کی دوسری سورہ کے شروع میں آتا ہے کہ **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ** (2/2)- یعنی یہ الکتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے- کتاب کا مادہ (Root) ک ت ب ہے- عرب اپنی اعلیٰ نسل کی اونٹنیوں کی شرمگاہوں میں لوہے کا چھلہ سا ڈال دیتے تھے تاکہ وہ ہر قسم کے اونٹوں سے حاملہ نہ ہونے پائیں اسے کتب الفاقۃ کہتے تھے..... اسی طرح جب وہ اونٹنی کے تھنوں کو چمڑے کے باریک تسمہ سے سی کر بند کر دیتے تھے تاکہ وہ اپنے بچہ کو سونگھ نہ سکے تو اسے بھی کتب کہتے تھے اسی سے مشکیزہ یا بوری کے منہ کو سی کر بند کر دینے کے لیے بھی کتب کہتے تھے (لغات القرآن پرویزؒ صفحہ 1414)_ اسی ک ت ب مادہ سے ہی لفظ کتاب نکلا ہے یعنی منتشر اوراق کو جمع کر کے اوپر سے سی دینا- یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک مجموعے کی شکل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بھی موجود تھا' تبھی تو اس کو کتاب کہا گیا ہے- اس جگہ کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہوں پر قرآن کو کتاب کہا گیا ہے-

قرآن محفوظ کتاب میں :- سورۃ الواقعۃ میں واضح طور پر آتا ہے کہ قرآن ایک محفوظ کتاب کی صورت میں موجود تھا- سورہ الواقعۃ میں آتا ہے کہ **اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ○** (56/77-79)- بے شک یہ ایک باعزت قرآن ہے- ایک پوشیدہ کتاب میں ہے- اسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا- اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھا ہوا موجود تھا- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی تھی- **وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ** (33/34)- اور اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو پھر دوسرے مقام پر آتا ہے کہ **وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ○**(52/2-3)- اور کھلے اوراق میں لکھی ہوئی کتاب- یعنی رق منشور پر لکھی جاتی تھی- دوسرے لفظوں میں ہرن کی جھلی کے بڑے بڑے کاغذ وہ جنہیں Parchment کہتے ہیں لکھا جاتا تھا-

قرآن :- قرآن کے لفظ پر ہی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جمع کیا گیا تھا- قراء کے بنیادی معنی ابن فارس نے جمع کرنا بتائے ہیں- قرآن فعلان کے وزن پر ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا- قرآن کو قرآن اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں سورتیں جمع کی گئیں ہیں- اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ

قرآن حکیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھا اور جمع کیا جاتا تھا، اور اس کو پڑھا بھی جاتا تھا۔

شانِ نزول

دوسری سازش :- کہا گیا کہ قرآن اس وقت نازل ہوتا تھا جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا۔ اسی واقعے کے تسلسل میں قرآن نازل ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی تفسیر قرآن میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر سورہ کے شروع میں اس کا شان نزول بیان کیا ہے۔ آپ کو تفسیروں اور قرآن کے حاشیوں پر یہ لکھا ہوا ملے گا کہ یہ آیت فلاں یہودی کے متعلق تھی اور یہ آیت فلاں صحابی کے متعلق یعنی قرآن کو چند واقعات تک محدود کر کے رکھ دیا گیا۔

شان نزول الگ الگ :- اگر آپ ان تفسیروں اور حاشیوں کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ایک ہی آیت کے متعلق ہر مفسر نے اپنے طریقے سے شان نزول لکھی ہے۔ یعنی ایک ہی آیت کے نازل ہونے کی مختلف وجوہات۔

تیمم :- قرآن مجید سورہ المائدہ میں آتا ہے کہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ (5/6)۔ اس کا مفہوم مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ نے مفہوم القرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس نظام کے قیام کے لئے جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کرتے جائیں۔ اجتماعات صلوٰۃ نہایت ضروری ہیں۔ جب تم صلوٰۃ کیلئے کھڑے ہو (یعنی عزم صلوٰۃ کرو) تو تم اپنا منہ، اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو۔ اور اپنا سر پونچھ لیا کرو۔ اور پاؤں کا ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اور (جیسا کہ 4/43 میں بتایا جا چکا ہے) اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نہا دھو کر) پاک صاف ہو جایا کرو اور پھر اجتماع صلوٰۃ میں شریک ہو اور اگر مریض ہو اور پانی سے تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو 4/43) یا حالت سفر میں ہو، یا جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے ہو یا عورت سے ہم آغوش ہوئے ہو، اور پانی نہیں ملتا۔ تو ان حالات میں وضو کرنے کی بجائے تیمم کر لیا کرو۔ یعنی پاک مٹی سے آلائش صاف کر لی اور منہ ہاتھ ویسے پونچھ لئے۔

شان نزول :- اس کو پڑھئے۔ کوئی الجھن محسوس ہوتی ہو رہی ہے؟ یا کسی واقعہ کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟ بالکل نہیں۔ لیکن اس کی شان نزول سلف صالحین کی اہم تفسیر تفسیر ابن کثیر جس کا اردو ترجمہ علامہ محمد میمن جوناگڑھی مرحوم نے کیا ہے کی جلد اول صفحہ 715 پر اس طرح بیان کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر پڑا۔ ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد (حضرت) ابوبکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا، اور مجھے کچوکے مارنے لگے [illegible]

تکلیف ہوئی لیکن اس خیال سے کہ حضورؐ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو میں ہلی جلی نہیں۔ حضورؐ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ "

اس کا مطلب یہ ہوا اگر حضرت عائشہؓ کا ہار گم نہیں ہوتا تو یہ آیت نازل نہ ہوتی!

قارئین کرام قرآن مجید عالم انسانی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ یہ واقعات یا حالات کا محتاج نہیں ہے۔ قرآن اپنے طریقے سے نازل ہوتا رہا۔ کفار نے کہا تھا کہ: **وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَذٰلِكَ ج لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا** (25/32)۔ مفہوم۔ اور جو لوگ اس ضابطہ حیات سے انکار کرتے ہیں، ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس رسول پر سارے کا سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل ہو گیا (تاکہ ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم سے کیا کیا باتیں منوائی جائیں گی)۔

اے رسول! اس قرآن کو (بتدریج) اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس پر ساتھ ساتھ عمل ہوتا جائے، اور اس طرح، اس کے خوشگوار نتائج، تمہارے لئے، تقویت اور طمانیت قلب کا موجب بنتے جائیں۔ اس کی تمام تعلیم، باہمدگر مربوط ہے اور ایک خاص نظم و ضبط کے ساتھ، سلسلہ در سلسلہ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک مسلسل پروگرام کو، اسی طرح، ترتیب کے ساتھ ساتھ سامنے آنا چاہئے تھا (73/4)

معوذتین :۔ قرآن کریم کی دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس معوذتین کہلاتیں ہیں۔ ان کا شان نزول مفتی اعظم پاکستان یعنی مفتی محمد شفیع مرحوم نے اپنی آٹھ جلدوں کی تفسیر میں یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔۔۔۔۔ اور یہ دو سورتیں نازل ہوئیں!

ناسخ و منسوخ

تیسری سازش :۔ کہا گیا کہ قرآن کی کچھ آیتیں منسوخ ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے تو یہ کہا گیا کہ قرآن کی پانچ سو آیتیں منسوخ ہیں! جی ہاں پانچ سو آیتیں منسوخ ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی مرحوم نے اس مقدار کو گھٹا کر پانچ کر دیا۔ قرآن کے مفسر کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہو۔ جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو اس وقت تک وہ تفسیر نہیں لکھ سکتا۔ علامہ جلال الدین سیوطی الاتقان میں رقمطراز ہیں کہ "علیؓ نے ایک ایسے شخص سے جو کہ قرآن کریم کے معانی و مطالب بیان کرتا تھا، دریافت کیا۔ کہ آیا اسے قرآن کی ناسخ اور منسوخ آیتوں کا حال معلوم ہے؟ اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔ اور پھر علیؓ نے فرمایا "تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی تو نے ہلاک کیا"۔ (حصہ دوم صفحہ 52)

منسوخ کی قسمیں :۔ قرآن کریم میں جو آیات منسوخ بتائی جاتی ہیں ان کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک وہ منسوخ آیتیں ہیں جن کی تلاوت بھی منسوخ ہو اور حکم بھی۔ اس سلسلہ میں الاتقان میں ایک روایت بی بی عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ **کان بما انزل رضعات معلومات فنسخن بخمس معلومات فلق فی رسول اللہ صلعم**

ومن یقدا من القران یعنی رضاعت کے بارے میں پانچ آیتیں معلوم تھیں جو نازل ہوئیں تھیں- وہ منسوخ ہوگئیں پانچ (آیات) معلوم سے اور پھر رسول اللہ صلعم نے وفات فرمائی اور یہ وہ آیتیں ہیں جو پڑھی جاتیں ہیں-

دوسری منسوخ کی قسم کی یہ بتائی جاتی ہے جس میں حکم تو منسوخ ہوگیا لیکن اس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن کے اندر موجود ہے- اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں میں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں- قرآن میں آتا ہے کہ **وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ** (2/219)- اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کھلا رکھیں کہ "جو ضرورت سے زیادہ ہو-" اس کے تفسیر میں کنزالایمان کے حاشیہ پر ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ ہے- یعنی ڈھائی فیصد زکوٰۃ دیدو اور جتنی چاہے دولت جمع کر لو- تیسری منسوخ کی قسم یہ ہے کہ حکم تو موجود ہے لیکن تلاوت منسوخ ہے اس سلسلہ میں آیہ رجم بہت مشہور ہے-

حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے :- یہ تو رہا قرآن کے بارے میں قرآن سے منسوخ لیکن ہمارے ہاں یہ عقیدہ بھی تواتر سے چلا آرہا ہے کہ حدیث بھی قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے- اس کی مثال دیتے ہوئے علامہ حافظ محمد ایوب مرحوم اپنے کتابچہ "فتنہ انکار حدیث" لکھتے ہیں کہ :

"نبی کے قول کے لیے ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے مطابق ہو' تب حجت رہے اور مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے..... اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ**- (2/180)- " تمہارے اوپر والدین کے لیے وصیت فرض ہے اگر کسی نے مال چھوڑا ہے جب کہ اسے موت آئے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- **لا وصیۃ للوارث**- وارث کے لیے وصیت نہیں ہے- اور تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اس حدیث پر رہا ہے- یعنی وارث کے لیے وصیت ناجائز قرار دی گئی- حدیث نے قرآن کو منسوخ کر دیا اور قول رسول قرآن کی آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا- (ص 85) (بحوالہ مقام حدیث صفحہ 29)

اسی آیت کی تفسیر میں تاج کمپنی کے شائع کردہ دو ترجموں والے قرآن پاک جس میں پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی مرحوم کا ہے اور دوسرا ترجمہ اشرف علی تھانوی مرحوم کا ہے- اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ : اس حکم کے تین جزو تھے- ایک جز اولاد کے' دوسرے ورثہ کے حصص و حقوق ترکہ میں معین نہ ہونا- دوم ایسے اقارب کے لئے وصیت کا واجب ہونا- تیسرے ثلث مال سے زیادہ وصیت کی اجازت نہ ہونا- پس پہلا جزو تو آیت میراث سے منسوخ ہے- دوسرا جزو حدیث سے جو کہ موید بالا جماع ہے منسوخ ہے اور وجوب کے ساتھ جواز بھی منسوخ ہو گیا یعنی وارث شرعی کے لئے وصیت مالیہ باطل ہے- تیسرا جزو اب بھی باقی ہے- ثلث سے زاید بدون رضاء ورثہ وصیت باطل ہے-

حدیث قرآن پر قاضی :- سنن الدارمی میں آتا ہے کہ **السُّنّۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ** یعنی سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے- دوسرے لفظوں میں اگر قرآن اور حدیث میں اختلاف ہو تو حکم قرآن کا نہیں بلکہ حدیث کا چلے گا-

قارئین کرام اگر تھوڑا بھی عقل سے کام لیا

جاتا تو بات سمجھ آجاتی لیکن یہاں عقل کون استعمال کرتا ہے۔ یہاں تو جو چیز کسی نے شروع میں کہہ دی سو' کہہ دی۔ ان کے ہاں یہ تواتر بن جاتا ہے اور تواتر سند بن جاتا ہے۔ وہ ان سلف صالحین کے خلاف کچھ سننا پسند نہیں کرتے اور اگر کوئی جو ان حدیثوں کا یہ کہہ کر انکار کر دے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا تھا ہو سکتا ہے Reporting میں غلطی ہو گئی ہو تو کہا جاتا ہے تم منکر حدیث ہو۔ منکر سنت ہو۔

قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں :- قرآن واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (15/9)- ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔ لہذا جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ لے اس میں نسخ کہاں سے آسکتا ہے۔ سورہ یونس میں آتا ہے کہ **لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ** (10/64)- اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ پھر سورہ الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے کہ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا** (33/62)-

ان آیات اور دیگر آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ ہمالیہ کی طرح اٹل ہے۔ اس میں نہ نسخ ہے اور نہ اختلاف و تبدیلی۔ قرآن نے تو دلیل ہی یہ دی ہے کہ اگر یہ قرآن کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں متضاد باتیں ہوتیں یعنی کبھی کوئی حکم ملتا اور کبھی کوئی حکم ملتا۔

انسانی تفسیر

چوتھی سازش :- سازش یہ کی گئی کہ کہا گیا کہ قرآن مجمل ہے یعنی واضح نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے انسانی تفسیر کی بھی ضرورت ہے۔ اگر انسانی تفسیر نہیں ہو گی تو قرآن کی مجمل آیات کو کس طرح سمجھا جائے گا۔

حدیثی تفسیر :- اس کے لیے پہلے تو یہ کیا گیا کہ مختلف آیات کی تفسیر حدیث سے کی جائے۔ ٹھیک ہے بہت اچھا۔ جب قرآن کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہوں تو اس میں کس مسلمان کو شک ہو سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو تفسیر حدیث کے ذریعے کی جاتی ہے' وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے بھی یا نہیں؟ بخاری شریف جو احادیث کی کتابوں میں سب سے بلند ہے۔ کیا اس میں پورے قرآن کی تفسیر موجود ہے؟ اس کا جواب نفی میں دیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کو تفسیر قبول کیا جائے تو یہ تفسیر کس قسم کی ہے۔ اس کے لیے ایک آیت اور اس کی حدیثی تفسیر از روئے حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ : **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا** (33/69)- اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو دکھ دیا تھا۔ پھر اللہ نے اسے بات سے جو انہوں نے کہی بری کر دیا۔ قرآن مجید میں اس کی تشریح دوسرے مقامات پر موجود ہے۔ اسے بیان کرنا طوالت کا سبب بنے گا۔ یہاں صرف بخاری شریف میں دی گئی تفسیر بیان کی جاتی ہے :

بخاری کی تفسیر :- ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا بنی اسرائیل

برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کیا کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ موسیٰؑ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے سوا اس کے کچھ مانع نہیں کہ وہ فتق میں مبتلا ہیں۔ ایک دن اتفاق سے موسیٰؑ غسل کرنے گئے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لے بھاگا اور حضرت موسیٰؑ بھی اس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ "ثوبي يا حجر ثوبي يا حجر" (اے پتھر میرے کپڑے دے دے۔ اے پتھر میرے کپڑے دے دے) یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کی طرف دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ موسیٰؑ کو کچھ بیماری نہیں ہے (اور پتھر ٹھہر گیا) موسیٰؑ نے اپنا لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰؑ کی مار سے چھ یا سات نشان (اب تک باقی ہیں)۔" (بحوالہ مقام حدیث صفحہ 110)۔ اس تفسیر کو پڑھئے اور پھر بتایئے کہ کیا یہ قرآن کی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے ہیں؟

قرآن آسان :- قارئین محترم اللہ تعالیٰ جس نے یہ آخری کتاب انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کی ہے۔ اس نے اس کو مجمل نہیں' بلکہ آسان بنایا ہے۔ اور اس کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی کر دی ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ** (54/17)۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ اب ہے کوئی نصیحت لینے والا۔ یہ آیت اسی سورہ یعنی القمر میں پانچ بار آئی ہے۔

اللہ خود مفسر ہے :- قرآن کی تفسیر اللہ تعالیٰ خود ہی کر دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن کا مفسر اللہ تعالیٰ خود ہے۔ سورہ الفرقان میں آتا ہے کہ **وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا** (25/33)۔ اور خواہ وہ تیرے پاس کوئی مثال بھی لے آئیں ہم تیرے پاس حقیقت اور بہترین تشریح لا چکے ہیں۔ پھر سورہ یونس میں ارشاد خداوندی ہے کہ **كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** (10/24)۔ اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔

ثواب

پانچویں سازش :- محترم قارئین میں مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے اب صرف ایک اور سازش کا ذکر کر رہا ہوں۔ جس کے ذریعے عوام الناس سے کہا گیا کہ بلا سوچے سمجھے قرآن کی تلاوت یا ورد کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ ایک حرف کے پڑھنے سے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی اگر کوئی صرف الف پڑھے تو اس کے حساب میں تیس نیکیاں ڈال دی جاتی ہیں جبکہ گناہ صرف ایک بار۔ ہے نہ جنت میں جانے کا آسان طریقہ۔

الاتقان کے حصہ دوم میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "احمد اور ترمذی نے شداد بن اوس کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ جو مسلمان لیٹے ہوئے کتاب اللہ کی کوئی سورۃ پڑھ لیتا ہے' اللہ پاک اس پر ایک فرشتے کو محافظ مقرر کر دیتا ہے۔ اور وہ فرشتہ کسی اذیت دینے والی چیز کو اس کے پاس نہیں آنے دیتا یہاں تک کہ جس وقت وہ مسلمان بیدار ہوتا ہے اس وقت وہ فرشتہ اپنی خدمت سے علیحدہ ہوتا

جاتا ہے (صفحہ 372)

آیتہ الکرسی کی فضیلت :- اسی کتاب کے صفحہ نمبر 376 پر لکھا ہے کہ "ابن حبان اور نسائی نے ابی امامۃ کی حدیث سے روایت کی ہے۔ جو شخص ہر ایک نماز کے بعد آیتہ الکرسی پڑھا کرے اس کو دخول جنت سے کوئی چیز مانع نہ ہو گی"۔ پھر دوسرے صفحے پر لکھا ہے کہ "فن حدیث کے چھ کے چھ اماموں نے ابی سعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ :

دو آیتیں کافی ہیں :- جو شخص ایک رات میں سورۃ البقرۃ کے آخر سے دو آیتیں پڑھ لے بس وہی آیتیں اس کے لیے کافی ہو جائیں گی۔

عزیزان گرامی ! قرآن قوانین کا مجموعہ ہے۔ ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے ہمارا معاشرہ جنتی معاشرہ بن سکتا ہے۔ جنت حاصل کرنے کے لیے قرآن میں آتا ہے کہ **أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ط أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ** (2/214)۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں ان لوگوں کی طرح کے حالات پیش ہی نہیں آئے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں؟ ان پر تنگ دستی اور تکلیفیں آئیں اور وہ ہلکان ہو گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے بول اٹھے "اللہ کی مدد کب آئے گی؟" دوستو ! اللہ کی مدد قریب ہے۔"

غور و فکر :- اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا تھا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم غور و فکر کیا کرو۔ قرآن کی دعوت تو یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں پر بھی بہرے اور اندھے ہو کہ نہیں گرتے۔ (25/73)

رابطہ

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تصانیف' درس قرآن (آڈیو۔ ویڈیو کیسٹس) کے حصول اور ترسیل زر کے لئے ایڈریس نوٹ فرما لیجئے۔

ایڈریس :-
طلوع اسلام ٹرسٹ
25 بی گلبرگ 2' لاہور۔ 54660
فون : 5764484
فیکس : 92-42-876219

بنک اکاؤنٹ :-
حبیب بنک لمیٹڈ
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ' لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 35-4107

طلوع اسلام ٹرسٹ

حقائق و عبر

1- میڈیا کی "ماڈل عورت" عورت کے مقام سے گری ہوئی ہے

○ ملک کی نامور افسانہ نگار خاتون سائرہ ہاشمی کا نام پڑھے لکھے طبقہ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ان سے جب پوچھا گیا کہ آج کا میڈیا جس طرح کی عورت کو بطور ماڈل پیش کر رہا ہے۔ اس سے ہمارے معاشرے بالخصوص گھریلو خواتین پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں' تو انہوں نے جواب میں کہا۔

* یہ ہمارا ایک بڑا المیہ ہے کہ میڈیا جس عورت کو بطور ماڈل پیش کر رہا ہے' وہ ماڈل تو کیا عورت کے اسٹیٹس سے بھی گری ہوئی عورت ہے۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ فلم' ٹی وی اور اخبارات کے رنگین صفحات طوائفوں کے حسن' دولت اور عزت کا پرچار کرتے ہیں۔ ہماری گھریلو عورت تو بہت بلند ہے لیکن میڈیا جسم کی نمائش کرنے والی عورت کو آئیڈیلائز کر کے نہ صرف نئی نسل کو گمراہ کر رہا ہے۔ بلکہ ہماری گھریلو عورت کے اندر احساس کمتری بھی پیدا کر رہا ہے۔ قصور ان ماؤں کا بھی ہے جو اپنے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک دوسرے سے آزادنہ دوستی کی اجازت دیتی ہیں۔

○ بعض ترقی پسند خواتین کہتی ہیں کہ موجودہ معاشرہ مرد کا ہے اور وہ اس معاشرے سے آزادی چاہتی ہیں۔ کیا واقعی آج کی عورت اپنے حقوق سے محروم ہے؟

حقوق دینے والا سب سے بڑا ادارہ تو اسلام ہے۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اسے یقیناً" ملنے چاہئیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مردوں کی اکثریت مذہبی تعلیم سے ناواقف ہونے کے باعث عورتوں کو ان کے حقوق نہیں دیتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کی ماڈرن عورت حقوق تو مانگتی ہے لیکن اپنے فرائض ادا نہیں کرتی۔ وہ اسلامی معاشرے کے حقوق اور مغربی معاشرے کی آزادی ایک ساتھ حاصل کرنا چاہتی ہے جو ممکن نہیں۔ یہ درست ہے کہ مرد اپنی جسمانی ساخت اور طاقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور طلاق کے لفظ کو تلوار کی طرح اسپر مسلّط رکھتا ہے چنانچہ ماڈرن عورت اس کے اس رویئے کے خلاف انتہا پسندانہ ردّ عمل پر اُتر آتی ہے' پہلے زمانے میں عورت کو طوائف بے گھر کرتی تھی آج عورت عورت کو بے گھر کر رہی ہے۔ عورت کی بے مہار آزادی کسی طرح بھی درست نہیں' ضرورت اس بات کی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق و فرائض سے آشنا کیا جائے۔

(بشکریہ ندائے ملت)

مزاج شناس رسولؐ

طلوع اسلام ٹرسٹ کی نئی پیشکش چھپ چکی ہے

قیمت (علاوہ ڈاک خرچ) اعلیٰ ایڈیشن -/Rs.160

سٹوڈنٹ ایڈیشن -/Rs.80

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی اکرمؐ کا ذریعہ معاش

یہ مضمون علامہ رحمت اللہ طارق صاحب نے خاص طور پر مجلّہ طلوع اسلام کے لئے ارسال فرمایا۔ مدیر مسئول

عام لوگوں کا خیال ہے کہ حضورؐ یتیم تھے۔ کوئی خاص ذریعہ معاش آپؐ کا نہ تھا' محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ کی پرورش آپؐ کے چچا ابوطالب نے کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

ان اللہ جعل رزقی تحت رمحی

اللہ نے میری روزی نوک سناں میں رکھی ہے۔

سورہ الضحیٰ کی خلاف واقعہ تفسیروں نے بھی کچھ اسی قسم کا نقشہ پیش کیا ہے کہ حضور کا بچپن تنگدستی اور بے کسی کے عالم میں بسر ہوا' حالانکہ نبی اکرمؐ کے خاندانی حالات پر جو بھی تاریخ کی دقتین سے میسر آسکے ہیں' نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ آپؐ کے دادا **عبدالمطلب** مکہ کے سردار اور بہت بڑے تاجر تھے۔ **عبدالمطلب** کے آٹھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بڑا بیٹا حارث فوت ہو چکا تھا۔ تین بیٹے عبداللہ' زبیر اور ابوطالب ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ سب اپنا اپنا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت ابوطالب پاؤں میں لنگ کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے اس لئے وہ خانہ کعبہ کے دروازوں پر لوبان اور خوشبویات بیچ کر گذر بسر کرتے تھے۔ دوسرے بیٹے جناب عبداللہ اور زبیر تاجر تھے۔ شام اور یمن جاتے اور وہاں سے مال لا کر مکہ کے بازاروں میں فروخت کرتے۔ ان دنوں بارٹر سسٹم بھی تھا اور درہم و دینار کی صورت میں قیصر و کسریٰ کے سکے بھی زر مبادلہ کا کام دیتے تھے۔ آپؐ کے والد حضرت عبداللہ مال تجارت لے کر شام سے لوٹتے تو ایک دو روز مدینہ میں اپنے ننہال کے پاس رک جاتے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ مدینہ میں قیام کے دوران آپؐ بیمار ہو گئے۔ آپؐ کے والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپؐ کے بھائی زبیر کو ان کی تیمار داری کے لئے مدینہ بھیجا۔ حضرت عبداللہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ کفن دفن کے بعد حضرت زبیر ان کا سامان تجارت لے کر مکہ آگئے اور مرحوم بھائی کے مال کو اپنے مال تجارت میں شامل کر کے مرحوم کی بیوہ کو شریک تجارت کر لیا۔

اس واقعہ کے دو ہی ماہ بعد مرحوم عبداللہ کے گھر وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا جس کی چکا چوند روشنی سے دنیا کے اندھیرے چھٹنے تھے۔ تایا حضرت زبیر کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ فرط محبت میں وہ پکار اٹھے۔

"یہ محمد میرے بھائی کی نشانی ہے۔ عیش و آرام سے جئے۔ اس کی حکومت اور مال میں کمی نہ آئے اور یہ سب چچوں سے بے نیاز ہو۔ یہ اتنا جئے

کہ بوڑھا ہو جائے"

ملاحظہ ہو قدیم مورخ ابوجعفر محمد بن حبیب ہاشمی (860 م) کی شہرہ آفاق کتاب المنمق طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن صفحہ 435- ابن حجر (1449 م) کی سیرت صحابہ "الاصابہ فی تمیز الصحابۃ" طبع مصر جلد 308/2)

عبدالرحمان السیلی نے بھی حضرت زبیر کے متعلق لکھا ہے۔

وهو الذی کان یرقص النبی وهو طفل

یہ وہی تایا زبیر تھے جو نبی اکرمؐ کو ہر وقت ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے۔

(الروض الانساب طبع مصر صفحہ 78)

گویا حضور نبی اکرمؐ کی ولادت باسعادت پر حضورؐ اپنے تایا زبیر کے ساتھ شریک تجارت بھی تھے' اور حضورؐ کا اپنا مکان بھی تھا جو آج بھی صفا سے نکل کر جنوب کی طرف آئیں تو چار پانچ سو قدم کے فاصلہ پر غزہ میں مولدالنبی کے نام سے مشہور ہے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد کے صفحہ 10 پر رقمطراز ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے حضرت **عبدالمطلب** نے اپنے بیٹے زبیر کو ہی تجارت اور سیادت کا نائب بنا رکھا تھا۔

شیعی مورخ احمد بن یعقوب عرف یعقوبی (897 م) لکھتا ہے۔

واوصی عبدالمطلب الیٰ ابنه الزبیر بالحکومته و امرالکعبه

عبدالمطلب نے زبیر کو اپنا جانشین بنا کر عنان حکومت اور امور کعبہ سنبھالنے کا حکم دے رکھا تھا۔

چنانچہ **عبدالمطلب** فوت ہوئے تو وصیت کے مطابق حکومت اور خاندان کی [illegible] بڑے بیٹے حضرت زبیر کے حصہ میں آئیں

حضرت زبیر عرب اتحاد کے داعی اور [illegible] معاہدہ امن (حلف الفضول) کے بانی تھے۔ اس [illegible] کے وقت حضورؐ کی عمر 21/22 سال کی تھی [illegible] شاہد ہے کہ دادا اور تایا نے نہ صرف یہ کہ [illegible] سے آپؐ کی پرورش کی بلکہ آپؐ کے والد کا [illegible] اپنے کاروبار میں لگا کر آپ کے لئے معاشی [illegible] سامان بھی پیدا کیا- لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپؐ کا بچپن دادا **عبدالمطلب** اور تایا زبیر کی سرپرستی میں بسر ہوا- ہوش سنبھالی تو آپ نے آبائی پیشے تجارت میں اعلیٰ اقدار کا سکہ بٹھایا۔

مشہور مورخ بلاذری لکھتے ہیں کہ **عبدالمطلب** نے زبیر کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد تم ہی ان کو اپنے ساتھ رکھنا۔

(انساب الاشراف طبع مصر جلد ۸۶/۱)

حضور نبی اکرمؐ کی پیدائش (571 م) سے حضرت زبیر کی وفات (593 م) تک تاریخ میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ آپؐ کے دادا اور تایا زبیر کے علاوہ کسی اور نے حضورؐ کی پرورش میں حصہ لیا ہو۔

اپنی کتاب انساب الاشراف طبع مصر جلد۸۵/۱ میں بلاذری 984 م پورے وثوق سے لکھتے ہیں کہ "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے پہل نبی اکرمؐ کی کفالت آپؐ کے چچا زبیر بن **عبدالمطلب** نے کی تھی لیکن اس کے مرتے ہی ابوطالب نے یہ سعادت سنبھال لی تھی- یہ نہ صرف غلط ہے بلکہ بہت بڑا تاریخی جھوٹ ہے- کیونکہ زبیر حلف الفضول کے بانی ہیں اور اس کے بعد ہی وہ کسی وقت فوت ہوئے تھے- اس وقت نبی اکرمؐ کچھ اوپر بیس برس کے

ل جوان تھے (لہٰذا اس وقت وہ محتاج پرورش تھے ی نہیں) ویسے بھی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت زبیر کے بعد جب ان کے چھوٹے بھائی حضرت ابوطالب ندان کے بڑے بنائے گئے تو ان کے مالی حالات شگوار نہ تھے۔ شیعہ مورخ یعقوبی سیدنا علی کے والے سے لکھتے ہیں کہ

"میرے والد ابوطالبؓ مفلس اور غریب تھے کہ ان پر سعادت کا بوجھ آن پڑا۔ ان سے پہلے کوئی بھی مفلس نہیں گزرا جس نے افلاس کی حالت میں سیادت کی ہو۔ (یعقوبی جلد 14/2)

یعقوبی کے علاوہ اور شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے بھی نہج البلاغہ میں حضرت ابوطالب کے بارے میں لکھا ہے کہ

مقلا من المال

آپ مالی لحاظ سے تہی داماں تھے۔

جلد 451/3

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کی تنگدستی ان کے اپنے بچوں کی کفالت میں بھی حائل رہی۔ آپ کے بیٹے جعفر طیار کی ولادت ہوئی تو اس کی پرورش ایک سنگین مسئلہ بن گئی۔ ابوطالب کے سوتیلے بھائی عباس بن **عبدالمطلب** نے ان کی پرورش کا بوجھ اٹھا لیا۔ اس کے دس سال بعد حضرت علیؓ پیدا ہوئے تو حضورؐ انہیں اپنے گھر لے آئے اور پرورش کی۔ ابو طالب غریبی اور افلاس کے باعث اتنے کمزور تھے کہ سرداری پر آپ کی گرفت اس حد تک ڈھیلی پڑ گئی کہ خاندانی نظم و ضبط درہم برہم ہو گیا۔ قریب تھا کہ غریبی اور ناداری کی سرداری کی وجہ سے کعبہ کی تولیت اور منصب العمارۃ - و **السقایۃ** بھی بدنظمی کی نذر ہو جاتا کہ اس خاندانی اعزاز کو بچانے کے لئے آپ کے چھوٹے بھائی عباسؓ نے سنبھالا دیا جس سے وہ اپنے موجودہ بھائیوں میں زیادہ مقبول ہوئے۔

حضرت زبیر کی وفات کے بعد آپؐ نے اپنا کاروبار تجارت بلاشرکت غیرے سنبھال لیا۔ آپ کی تجارتی دیانتداری کا اتنا شہرہ ہوا کہ وقت کے تاجر آپؐ کے پاس امانتیں رکھواتے اور کاروبار میں شراکت کی آرزو کرتے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ (620م) نے جو ذرا پہلے بیوہ ہوئی تھیں شریک تجارت بننے کی دعوت دی اور آپؐ نے اپنی بے داغ تجارت سے انہیں بھی مالا مال کر دیا۔ پھر جب شادی کی تحریک ہوئی تو آپؐ نے خدیجہؓ کے حق مہر میں بیس اونٹ دیئے۔ دیگر تحائف اس پر مستزاد تھے۔ ابو جعفر محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ 12 - اقیہ (34 تولے) سونا بھی شامل کیا تھا (کتاب المحبر - طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن صفحہ 79)۔ اتنا حق مہر اپنے وقت کے لحاظ سے بڑے رئیس اور مالدار لوگ ہی دیا کرتے تھے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ یہ اونٹ ابو طالب نے دیئے تھے بہت بڑی غلط بیانی ہے۔ حضرت ابوطالب ان دنوں جس نوعیت کی تنگدستی سے دوچار تھے اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ سیدہ خدیجہؓ کے مال تجارت سے اتنے مالدار ہو گئے تھے کہ بوقت شادی اتنا سونا اور چوپائے حق مہر میں ارزاں فرمائے۔ سیدہ خدیجہؓ کے ایثار و قربانی کا دور اگر شروع ہوتا ہے تو وہ شادی کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ تھا وہ اپنے اور تایا کے مال تجارت میں نفع و برکت کا کرشمہ تھا۔

تاریخ و واقعات کی روشنی میں آپؐ مہد سے لے کر لحد تک خوشحال تھے، خوشحال رہے۔ یتیمی کے

باوجود مکان بھی اپنا تھا اور سرپرستی بھی گھر ہی کی تھی۔

اب آیئے قرآن کریم کی سورۃ الضحیٰ کی آیت 8 کی طرف جس کی بنیاد پر حضور اکرمؐ کی تنگدستی کا فسانہ تراشا جاتا ہے۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ

اس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم نے تجھے ضرورت مند پایا اور غنی کر دیا۔

امام راغب کے مطابق "عول" کثرت کو کہتے ہیں۔ یہ کثرت مال کی ہو یا اولاد کی۔ **العیال** وہ افراد ہیں جن کے اخراجات کا انسان ذمہ دار ہو۔

(راغب طبع دار لفکر۔ بیروت صفحہ 367)

اسی طرح عربی میں کہتے ہیں۔

عالته شهرا اذا كفاره معاشه

اس نے ایک ماہ کے لئے فلاں کے کھانے پینے کا ذمہ لے لیا۔

(مختار الصحاح عبدالقادر رازی صفحہ 467)

ادبیات عرب کے ایک راہوار ابو عمیر کہتے ہیں کہ حمیر (Himyar) کی زبان میں 'عول' مال و اولاد کی کثرت پر بولا جاتا ہے۔

(نیل المرام صدیق حسن 889م طبع مصر صفحہ 102)

امام شافعی بھی اس کے معنی کثرت عیال ہی کرتے تھے۔

(تفسیر رازی طبع مصر جلد 179/9)

قرائن کی رو سے دیکھا جائے تو بھی [illegible] تاجر ابن تاجر تھے اس لئے ان [illegible] ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور پھر [illegible] کے وقت تو آپ کا شمار مکہ کے کامیاب ترین [illegible] میں ہوتا تھا۔ ایسے میں حضورؐ کو مفلس و قلاش [illegible] جہت سے بھی درست نہ ہوگا۔ ایسے شواہد البتہ [illegible] ہیں جن کے مطابق مکہ میں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت زینبؓ، اسامہ بن زید اور [illegible] دوسرے افراد کی کفالت کا بوجھ آپ نے اٹھایا ہوا تھا مدینہ میں افراد خانہ کے علاوہ، آل ابوطالب، اصحاب صفہ، نادار اور بے سہارا خواتین بھی آپ ہی کے [illegible] سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ لہٰذا اس آیت کا صحیح مفہوم میرے نزدیک اس سے بہتر کوئی نہیں کہ اللہ نے آپؐ کے جود و سخا کو دیکھا اور آپ کو مزید مالی وسائل سے نواز دیا ویسے بھی آیت میں لفظ غنی استعمال ہوا ہے جس کے معنی بے نیاز کر دینے کے بھی ہیں۔ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ حضرت زبیر کے سہارے کے محتاج تھے اور نہ ہی حضرت ابو طالب کی مفروضہ پرورش کے ----- اللہ نے آپؐ کو وسائل عطا کر کے سب سہاروں سے بے نیاز کر دیا تھا۔

ارشاد نبویؐ

من استوى يوماه فهو مغبون

"جس نے دو دن ایک جیسے گذارے (یعنی جس کا آج اس کے کل ہی کی تصویر ہو) وہ (زندگی کی دوڑ میں) نقصان میں رہا (غبن ہو گیا)

نقد و نظر

نام کتاب : اسلامی انقلاب کی جدوجہد

مصنف : محمد شعیب عادل

ناشر : دوست ایسوسی ایٹس الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

صفحات : 184

قیمت مجلد : ایک سو روپے

کتاب کے نوعمر مصنف نے روائت پرستوں کے مسلمات کا تجزیہ قرآن کی روشنی میں کیا ہے۔ کتاب لکھنے کا جذبہ محرکہ المورد (دانش گاہ اسلامی) کی طرف سے شائع کردہ کتاب اسلامی انقلاب کی جدوجہد' غلطی ہائے مضامین ہے جو اسلامی مرکز کے سربراہ ڈاکٹر فاروق خان صاحب نے لکھی ہے۔

مصنف کے خیال میں ہمارے سماجی اور حکومتی اداروں میں تبدیلی اسُ وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارے رویوں میں دلیل اور مکالمے کی روایت شامل نہ ہو۔ کتاب لکھنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ہماری قوم کے اذہان پر تقلید کے جو تالے پڑ چکے ہیں انہیں توڑا جائے۔ ہمارے اذہاں معلومات کا ڈبہ بننے تک محدود نہ رہیں بلکہ اپنے آپ کو غور و فکر کا عادی بنائیں۔ موضوعات میں تاریخ اسلام' مرتد کی سزا' سوچا کرو' غلام اور لونڈیاں' علما کون؟' حدیث کا مقام' فروعی اختلافات اور سنت کی بحث جیسے عنوانات دکھائی دیتے ہیں۔ سلیس اردو میں لکھی ہوئی اس کتاب کا نقطہ ماسکہ یہ ہے کہ تبدیلی کا عمل سوال کرنے سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں علم میں حافظے کی جو روائت جاری ہے اس سے نیا علم پیدا نہیں ہوتا بلکہ صدیوں سے جاری مخصوص ذہنیت کو تسلسل ملتا ہے۔ اس ذہنیت کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ نیا علم پیدا ہو جو ایک طرف سابقہ روایات کی قلعی کھول کر اسے بے اثر کرے اور دوسری طرف عوام کی ضروریات کے مطابق نیا شعور پیدا کرے۔ کتاب ہذا کا مطالعہ ہلکی پھلکی اور To The Point تحریروں میں دلچسپی رکھنے والے نوجوانوں کے لئے خاص طور پر مفید رہے گا۔

فرمودہ اقبالؒ

اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

ماہنامہ صوت الحق نے جب سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کی پیش کردہ قرآنی فکر کو ہدف تنقید بنانا شروع کیا ہے قارئین طلوع اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ماہنامہ صوت الحق کے مئی 96ء کے شمارے میں پرچے کے مشیر جناب ع۔ق۔ ناظر صاحب کے مضمون کے جواب میں ہمیں بہت سے مضامین موصول ہوئے ہیں۔ ان سب مضامین کو شائع کرنا تو شاید ہمارے لئے ممکن نہ ہو تاہم سب سے پہلے موصول ہونے والا ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کا مضمون قارئین کی نذر ہے۔ مدیر مسئول

مندرجہ بالا الفاظ آیت (3 : 26) کا حصہ ہیں اور ان کا عام ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔

"اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے" اس ترجمہ سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اللہ ایک خود مختار بادشاہ کی طرح ڈنڈا لئے بیٹھا ہے۔ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ لیکن پوری آیت (3 : 26) کو سامنے رکھا جائے تو بات کچھ اور بنتی ہے۔ محترم پرویزؒ نے آیت (3 : 26) کا مفہوم یوں بیان کیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (3 : 26)

"ان سے کہہ دو کہ کوئی قوم خدا کی چہیتی اولاد نہیں۔ ہر قوم کے ساتھ اللہ کے قانون مشیت کے مطابق برتاؤ ہوتا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی سعی و عمل کے مطابق پھل ملتا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53 : 39)

ہر ایک کے درجات اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (46 : 19)

اور اسی قانون کے مطابق عزت و عظمت اور غلبہ و اقتدار ملتا ہے۔

يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ (2 : 247)

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٥ (21 : 105)

اور جب وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی کرے جس سے یہ صلاحیت باقی نہ رہے تو اس کا عزت و اقتدار چھن جاتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (8 : 53) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (13 : 11) اس قانون کا سررشتہ

اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اسے اس پر پورا کنٹرول حاصل ہے تاکہ اس کے خلاف کچھ نہ ہونے پائے" پرویزؒ صاحب نے مشیت الٰہی کے موضوع کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مشیت ایزدی

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر **شَآءَ**، **یَشَآءُ**، **شیا**"، **مَشِیَّۃٌ** کے الفاظ آتے ہیں۔ جن کا مادہ ش ی ا ہے۔ مشیت کے عام طور پر معنی کئے جاتے ہیں ارادہ کرنا۔ لیکن لغت میں مشیت اور ارادہ کے مفہوم میں فرق کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مشیت کسی چیز کو وجود میں لانے کا نام ہے اور اللہ کی مشیت ایجاد شے ہی ہے اور انسان کی مشیت **'اصابۃ الشئی** یعنی ارادہ کے ہم معنی۔ لہٰذا اللہ کی مشیت وجود شے کی مقتضی ہے۔ جبکہ ارادہ میں شے کا وجود میں لانا لازم نہیں۔ گو اس کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہو مثلاً"

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ
(2 : 185)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔

مشیت اور ارادہ کے اس مفہوم سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی مشیت محض طلب یا چاہت نہیں بلکہ یہ فی نفسہ تخلیقی ہے۔ یہ تخلیقی قوت کا سرچشمہ ہے۔ سرچشمہ کے طور پر یہ مسلسل تخلیقی توانائی سے لبریز ہے۔ اس کے حکم پر ہر لحہ نئی نئی شکلیں معرض وجود میں آتی ہیں۔ تخلیق کے بعد اللہ کا ارادہ پیچھے نہیں ہٹتا اور نہ ہی مخلوق کو خود بخود تغیر کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ کی تخلیقی حرکت میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا بلکہ یہ مسلسل جاری رہتی ہے۔

مشیت خداوی اور کائنات

کائنات میں مشیت خداوندی پر انحصار کامل اور بلاشرط ہے۔ پوری کائنات میں جبریت کار فرما ہے۔ ہر طبعی شے کی تخلیق چند مخصوص صفات کے ساتھ ہوتی ہے جوکہ اس کی حرکت اور دیگر اشیائے کائنات کے ساتھ اس کے روابط کو کنٹرول کرتی ہے۔ علاوہ ازیں تمام مادی اشیاء پر کائناتی قوانین کی مضبوط گرفت ہے۔ یہ قوانین مشیت خداوندی کے سرچشمے سے پھوٹے ہیں اور کائنات کے اٹل اور غیر متبدل نظام کی بنیاد ہیں۔ چنانچہ مادی دنیا نظم و نسق میں گھری ہوئی ہے اس لئے کہ مشیت خداوندی اسے کنٹرول کرتی ہے اور اس کے اندر رچی بسی ہوئی ہے۔ کوئی شے کائناتی قوانین کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ یہ قوانین ہر شئے کے کردار کو مضبوطی سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف سرکشی ناممکن ہے۔ ان قوانین کی حدبندی پیشگی ہو چکی ہے اور یہ غیر متبدل ہیں۔ یہاں ہر شئے کی کارکردگی اس کی خاصیتوں کے مطابق ہے اور ان قوانین کے تابع ہے جو اس کو کنٹرول کرتے ہیں۔ پانی ہمیشہ نیچے کی طرف بہے گا اوپر کی طرف نہیں جائے گا۔ گرم ہوا ہمیشہ اوپر کی طرف اٹھے گی۔ سیارے ہمیشہ اپنے اپنے فلک کے اندر حرکت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم ہماری توجہ کائنات میں قانون کی حکمرانی اور نظم و ضبط کی طرف دلاتا ہے اور دساتیر فطرت کی باقاعدگی پر غور و فکر کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ کائناتی قوانین کی یہ باقاعدگی مشیت خداوندی کا عکس ہے جو ہر قسم کی بے **ربطگی** اور اندرونی

تصادم سے پاک ہے۔
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (16 : 49)

"کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے قوانین کے آگے سجدہ ریز ہے۔ خواہ وہ جاندار مخلوق ہو یا کائناتی قوتیں۔ ان میں سے کسی کو بھی مجال سرتابی نہیں۔ وہ ان قوانین کی اطاعت سے کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتیں"

چنانچہ قرآن کے الفاظ میں کوئی شئے ایسی نہیں جو مشیت خداوندی اور ان احکام کے تابع نہ ہو۔ جو اس کی طرف سے ملے ہیں۔

مشیتِ خداوندی اور انسان

انسانی دائرے کے اندر مشیتِ خداوندی کس طریق سے کارفرما ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے یاد رکھئے کہ انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ طبعی جسم رکھنے کی وجہ سے انسان مادی دنیا کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس کا جسم طبعی قوانین کے اسی طرح تابع ہے جس طرح دوسری اشیاء۔ زندگی اور موت۔ نشوونما پانا یا گل سڑ جانا۔ یہ سب قدرتی واقعات ہیں' جو طبعی قوانین کے کنٹرول میں ہیں۔ لیکن انسان کے جسم کے علاوہ اس کی ذات بھی ہے اور یہ آزادی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنا سانس زندگی قائم رکھنے کے لئے۔ انتخاب کی آزادی ذات کے اندر (Inherent) خلقی ہے۔ یہ کسی بھی متبادل شئے کو منتخب کرنے کے لئے آزاد ہے۔ مشیت خداوندی نے اسے اس قدر آزادی دے رکھی ہے جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ تاہم آزادی کے لئے حدود ضروری ہیں۔

مشیت خداوندی کے مختلف گوشے

گوشہ اول

قرآن کریم کا ارشاد ہے
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (2 : 117)

اس کا انداز تخلیق یہ ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس شئے کی تخلیق کا آغاز ہو جاتا ہے۔

پھر کہا
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (36 : 82)

"اس کا قانون تخلیق یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادہ کے ساتھ ہی اس شے کی تخلیق کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا آیات کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور فیصلہ اس کے قانون تخلیق کا حصہ ہوتے ہیں۔ قرآن نے تخلیق کے لئے دو الفاظ استعمال کئے ہیں جو دراصل تخلیق کے دو مراحل ہیں۔ ایک امر اور دوسرا خلق' خلق اسے کہتے ہیں جب موجود اشیاء کو ملا کر ان سے ایک نئی شے معرض وجود میں لائی جاتی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ایک شئے مشہود شکل میں سامنے آ جاتی ہے' لیکن اس سے پہلے ایک مرحلہ وہ ہوتا ہے جس میں وہ شئے ابھی مشہود شکل میں نہیں ہوتی بلکہ

(In the process of becoming)

ہوتی ہے۔ یعنی اس کا ابھی خاکہ تیار ہو رہا ہوتا ہے۔ اس منصوبہ بندی کی سٹیج کو قرآن نے عالم امر کہا

ہے۔ اس (Planning) یا منصوبہ بندی کی ماہیت کیا ہے؟ اور یہ کس طریق سے عمل میں لائی جاتی ہے یہ انسان کے احاطہ ادراک سے باہر ہے۔ اسی چیز کو قرآن دیگر مقامات پر مشیت کہہ کر پکارتا ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ ------ **وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ** (14 : 27)

اس کا عام ترجمہ کیا جاتا ہے "اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" لیکن یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اللہ کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ وہ (Autocrat) خود مختار بادشاہ ہے جو جی چاہے اپنے مرضی کے مطابق کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور جیسا کہ "مشیت خداوندی" کے عنوان کے نیچے بیان کیا گیا ہے غلط ہے۔

یفعل اللہ ما یشاء کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ مشیت کے معنی توہمات و خواہشات نہیں' اس کے معنی قوانین ہیں جو گوشہ اول میں متعین ہوئے۔ پھر کہا گیا کہ اللہ جو قوانین بناتا ہے کوئی ان کے متعلق سوال نہیں کر سکتا۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ ------ (21 : 23)

"وہ جو کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی۔

گوشہ دوئم

کائنات کا محسوس سلسلہ : ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز ایک خاص قاعدے اور قانون کے مطابق چل رہی ہے۔ اس گوشے میں خدا نے اپنے امر کو پیمانوں اور اندازوں کے اندر محدود کر دیا ہے۔

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (33 : 38)

"اللہ کا قانون اس کی مشیت کی رو سے پیمانوں میں گھر گیا"

یہاں خدا کا امر مقررہ اندازوں کا پابند ہو گیا۔ یعنی اب کائنات کی ہر شئے ان اندازوں کے مطابق چلنے لگی جو خدا نے اپنی مرضی و منشا کے مطابق اول الذکر گوشے میں مقرر کئے تھے اور جس کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (65 : 3)

"وہ اللہ نے ہر گوشے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا"

یہ پیمانے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں لیکن خدا نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ان قوانین میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ (33 : 11) چنانچہ آم کی گٹھلی سے اب آم کا درخت پیدا ہوگا۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔

اس گوشے میں مشیت خداوندی کے وہ قوانین ہیں جن کے مطابق سلسلہ کائنات چل رہا ہے۔ کائنات میں کسی شئے کی مجال نہیں کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی کر سکے۔ جیساکہ پہلے کہا گیا ہے کائنات کے اس گوشے کے متعلق جہاں کسی شے کی ابتدا ہوئی ہے اور جہاں اس شے کے متعلق قانون مقرر کیا گیا ہے ہم کچھ نہیں جان سکتے' وہ ہمارے احاطہ ادراک سے باہر ہے۔ اس لئے خدا کے متعلق جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ ان قوانین کی رو سے جان سکتے ہیں جو اب کائنات میں کارفرما ہیں۔ یعنی مشیت خداوندی کا یہ گوشہ تحقیق اور علم و تجربہ کی بنا پر ہی ہماری سمجھ میں آسکتا ہے۔

گوشہ سوئم

قوانین خداوندی کی دوسری قسم جو انسانی دنیا

میں انسان کی رہنمائی کے لئے انبیائے کرامؑ کی وساطت سے وحی کے ذریعے دیئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق خدا نے انسان کو یہ اختیار دے رکھا کہ جو راستہ جی چاہے استعمال کرے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (18 : 29)

"جس کا جی چاہے ایمان کی راہ اختیار کر لے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کر لے" یعنی خارجی کائنات کے برعکس انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان قوانین کی پابندی کر لے جو اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور چاہے تو ان سے سرکشی برت لے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ فلاں روش کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوگا' اور فلاں کا نتیجہ کامرانی و کامیابی ہوگا۔ یعنی اس گوشے میں انسان کو اس کا اختیار تو ہے کہ وہ جیسی جی چاہے روش اختیار کر لے' لیکن اس کا اختیار نہیں کہ اپنے اعمال کے نتائج بھی اپنی مرضی کے مطابق مرتب کر لے۔ اس کا ہر عمل وہی نتیجہ مرتب کرے گا جو اس کے لئے مشیت (قانون خداوندی) نے مقرر کر رکھا ہے۔ مثلاً" اسے اس کا تو اختیار ہے کہ اپنے منہ میں چاہے شہد ڈال لے' چاہے زہر ڈال لے لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ زہر کھا کر اس کا نتیجہ شہد کا سا پیدا کر لے۔ یہ قوانین کہ فلاں روش کا نتیجہ کیا ہوگا انسان کو وحی کے ذریعے عطا کئے گئے ہیں اور آج یہ قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔ اگر انسان کے اعمال ان قوانین کے مطابق ہوں گے تو یہ اس کی ذات کی نشوونما کا ذریعہ بنتے جائیں گے اور اگر ان قوانین کے خلاف ہوں گے تو یہ انسانی ذات کی فنا کا سبب بنتے جائیں گے۔

یہ ہے "مشیت خداوندی" کا وہ درخشندہ مفہوم جو ہمارے زمانہ کی ایک بلند پایہ فاضل شخصیت نے بیان کیا جسے پرویزؒ کہتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ کس طرح مشیت خداوندی (automatically) ایک خودکار مشین کی طرح بلا کسی بیرونی مداخلت کے کائنات اور انسانی دنیا دونوں میں کارفرما ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستان قرآن کریم کے اندر بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ یوں سمجھئے کہ آیت (26 : 3) اسی داستان کا عنوان ہے۔

لیکن ماہنامہ صورت الحق شمارہ مئی 1996ء ص 28 تا 31 پر ایک صاحب ع۔ق ناظر صاحب مندرجہ بالا نظریہ کے مخالف نظر آتے ہیں۔ وہ **وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ** کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "اللہ جسے مناسب سمجھتا ہے اسے عزت (ہدایت و استقامت علی الدین) سے نوازتا ہے اور جسے مناسب سمجھتا ہے اسے (گمراہی میں دھکیل کر) ذلیل کر دیتا ہے" یہ ترجمہ وہی ملائی ترجمہ ہے اس میں 'جسے چاہے' کی بجائے جسے مناسب سمجھتا ہے کر دیا ہے اور اس ترجمہ کی (Support) میں قرآن کریم کی آیات کے بہت سے حوالے دیے گئے ہیں جن کا آیت (26 : 3) کے بنیادی تصور یعنی قوموں کے عروج و زوال اور عزت و ذلت کے مسئلہ کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ناظر صاحب کے نزدیک عزت کا معیار

"تقویٰ" ہے اور وہ اس کی (Support) میں آیت **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ** پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان میں انسان ہونے کے حیثیت واجب التکریم ہے۔ غور کیجئے کہ اس آیت کا قوموں کے عزت و اقتدار سے کیا تعلق

جس کا ذکر آیت (26 : 3) میں آیا ہے۔

پھر ناظر صاحب آیت (10 : 35) پیش کرتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (10 : 35)

تو جو قوم، قوت و غلبہ اور عزت و تکریم کی حیات تازہ سے بہرہ اندوز ہونا چاہتی ہے اسے سمجھ رکھنا چاہئے کہ غلبہ و قوت سب قوانین خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں" یہ وہی تصور ہے جو خود پرویز " صاحب نے آیت (26 : 3) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

پھر ناظر صاحب اپنے موقف کے (Support) میں (8 : 19) (208 : 2) (139 : 4) (44 : 26) (2 : 38) کی طرف اشارہ فرماتے ہیں لیکن بلا تشریح۔ قرآن پر لکھنے والوں میں سے اکثریت کے نزدیک یہ ایک فیشن بن چکا ہے کہ اپنے مؤقف کا وزن بڑھانے کے لئے قرآن کی آیت کا متن پیش کرنے کی بجائے صرف آیات کے نمبر لکھ دیئے جائیں تاکہ ان کے بیان کی خامیوں پر پردہ پوشی قائم رہے۔

اب دیکھئے آیت (8 : 19) میں حضرت زکریا کا ذکر ہے۔ اس کا قوموں کے عزت و اقتدار کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔

پھر آیت (208 : 2) میں کہا گیا ہے کہ "مومنو ! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اس کا بھی آیت (26 : 3) کے اصل موضوع یعنی اقوام کی عزت اور ذلت کے حصول کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

پھر آیت (139 : 4) میں ان منافقین کا ذکر ہے جو مخالفین کے ساتھ یارانہ گانٹھتے تھے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ "منافقین، مخالفین کے پاس عزت و قوت حاصل کرنے کی غرض سے جاتے ہیں ان کو بتا دو کہ حقیقی عزت و قوت صرف قوانین خداوندی کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی"

آیت (44 : 26) میں لفظ **"بعزة فرعون"** آیا ہے۔ یہاں لفظ عزت کے معنی جاہ و جلال ہے۔" ساحرین فرعون نے کہا کہ فرعون کے جاہ و جلال کی قسم کہ ہم آج ضرور میدان مار لیں گے" یہاں فرعون کے لئے عزت یا ذلت بانٹنے کا کوئی ذکر نہیں۔

اسی طرح ناظر صاحب نے سورۃ (2 : 38) کا حوالہ دیا"۔ یہ آیت یوں ہے بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (2 : 38)

"قرآن کی بلند پایہ تعلیم اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں علم و بصیرت یا دلائل و براہین کی رو سے ایسا نہیں کرتے بلکہ محض اپنی جھوٹی عزت، ضد، تکبر اور نخوت کی بنا پر ایسا کرتے ہیں"

مودودی مرحوم بھی یہاں عزۃ و شقاق کا ترجمہ 'سخت تکبر اور ضد' کرتے ہیں۔ مولوی فتح محمد مرحوم نے 'غرور اور مخالفت' ترجمہ کیا ہے۔

لیکن چونکہ یہاں لفظ "عزت" سامنے تھا اس لئے ناظر صاحب نے اسے فوراً" آیت (26 : 3) کے مفہوم میں شامل کرنا مناسب سمجھا۔ جیساکہ مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے، ناظر صاحب کو جہاں کہیں قرآن میں لفظ "عزت" نظر آیا اسے فوراً" آیت (26 : 3) کے ساتھ جوڑ کر اپنی عالمانہ برتری کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

ناظر صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر پرویز صاحب

کی مذکورہ وضاحت کو درست سمجھ لیا جائے (یعنی عزت اور ذلت مشیت خداوندی کے قانون کے مطابق ملتی ہے) تو پھر ہمیں اللہ کا قانون مشیت بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ کبھی فرعون و نمرود کو بادشاہ بنا دیا اور کبھی چنگیز اور ہلاکو کو۔ کبھی محترمہ بے نظیر کو وزیراعظم بنا دیا' اور کبھی نواز شریف کو۔ چنانچہ بار بار اللہ کے فیصلے بدلتے رہتے ہیں"۔

یہ ایک دقیانوسی اور طفلانہ تصور ہے۔ ناظر صاحب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی عزت و ذلت بانٹنے کے لئے کوئی دربار لگا کر بیٹھتے ہیں جسے چاہا عزت اور حکومت دے دی یا ان کے اپنے الفاظ میں جسے مناسب سمجھا' عزت اور حکومت دے دی اور جسے مناسب سمجھا ذلت بخش دی۔

میرے بھائی اللہ کا قانون مشیت جیساکہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ ایک خود کار (automatic) مشینری ہے۔ جس کی زد میں درست نظریات' درست اعمال اور درست نظام والے لوگ بھی آتے ہیں اور غلط نظریات' بداعمال اور خود ساختہ نظام والے لوگ بھی آتے ہیں۔ لیکن یہ مشینری مسلسل اول الذکر کو عزت و حکومت بخشتی جاتی ہے اور آخرالذکر کو ذلت میں دھکیلتی چلی جاتی ہے۔ عزت اور غلبہ آخرکار موسیٰ اور اس کی قوم کے حصے میں آتا ہے اور ذلت ہمیشہ کے لئے فرعون کے ساتھ چمٹ کر رہ جاتی ہے اور جب موسیٰ کی قوم غلط روش اختیار کرتی ہے تو اس سے بھی عزت اور غلبہ چھن جاتا ہے۔

بات بالکل صاف ہے اس میں کوئی الجھن نہیں۔ ملا کی کٹ حجتی جو جی چاہے رخ اختیار کرتی جائے' اس سے کسی نظریہ کی صداقت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

تمثیلچہ

سبک خرام بس دوڑتی' مچلتی' بل کھاتی اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر دوڑے چلے جا رہی تھی۔ ڈرائیور پیشہ وارنہ مہارت کے ساتھ خطرناک سے خطرناک موڑ کاٹتا ہوا بس کو منزل کی جانب لے جا رہا تھا۔ منزل بھوربن (مری) تھی۔ طالبات خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا' سامنے بہت ہی دلکش منظر تھا۔ سرسبز و شاداب اونچی نیچی پہاڑیوں کے عقب میں آوارہ خرام سفید بدلیاں' ٹھنڈی ہوا' اور مسحور کن مہک' اسے اونچا اڑائے لئے جا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر نیچے گہری کھڈ پر پڑی۔ خوف سے ایک خاموش چیخ اس کے لبوں تک آئی اور سردی کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ "اگر خدانخواستہ یہ بس اس کھڈ میں گر جائے تو ------" خوفزدہ ہو کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایک لمحے کے لئے ایک بجلی سی اس کی آنکھوں کے سامنے کوند گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ دیکھو! زندگی بھی پہاڑی راستوں میں سے گزرتی ہوئی اس سڑک کی طرح ہے۔ انسان اس پر چلتی ہوئی گاڑی ہے' جس کا ڈرائیور اس کا نفس ہے۔ انسان کا نفس اس گاڑی کو اگر اللہ کے بتائے ہوئے طریق سے چلائے گا تو اسے نہ خوف ہو گا نہ حزن۔ لیکن جونہی وہ ٹریک سے ہٹے گا ذلت کی اتھاہ پستیاں اس کا مقدر بن جائیں گی۔"

یہ آواز اس کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی۔

شائستہ اشرف بھلوال

ترتیب و پیشکش
میجر طلوع اسلام ٹرسٹ

فہرست موضوعات

آڈیو کیسٹ درس قرآن

گذشتہ سے پیوستہ

سورہ البقرہ (2)

نمبر شمار	تاریخ	آیات	موضوعات
27.	29-12-68	2/108 - 118	خود ساختہ شریعت۔ پرسنل و پبلک لاز۔ دین کی جزیات کا تعین۔ مسجد اور فرقہ بندی۔
28	05-12-69	2/119 - 125	وحی۔ کشف اور الہام۔ منصب رسالت۔ فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں۔ قانون مکافات عمل۔ تعمیر کعبہ کا اہم مقصد۔ سیرت ابراہیمی کے چند گوشے (حضرت ابراہیمؑ و نمرود)۔
29	12-01-69	2/125 - 134	حج۔ تعارف۔ تعمیر کعبہ۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل کی کی حسین دعائیں۔ روٹی کا مسئلہ
30	19-01-69	2/135 - 142	قبلہ اول؟ بیت المقدس کی تاریخی حیثیت۔ قبلہ کے تعین کی اہمیت۔
31	26-01-69	2/143 - 152	قبلہ کا تعین اور اس کی اہمیت (تشکیل امت واحدہ)۔ قبلہ امت (مرکز قلب و نگاہ) امت محمدیہؐ کی خصوصیات۔ ذکر کا مفہوم۔

32	02-02-69	2/153 - 156	استقامت بالصبر والصلوۃ- صبر کا مفہوم- مقتولین فی سبیل اللہ- شہید کی زندگی- ان للہ وانا الیہ راجعون
33	09-02-69	2/157 - 163	درود کا مفہوم- سلام- صفا و مروہ اور طواف-
34	23-02-69	2/164	قرآن اور خارجی کائنات (سائنس، علم اور علماء قرآن- کی نظر میں)
35	02-03-69	2/165 - 169	محبت خداوندی کا مطلب- عوام اور لیڈروں کے مکالمات
36	09-03-69	2/170 - 171	تقلید کی تباہ کاریاں- اسلاف پرستی-
37	16-03-69	2/172 - 176	حلال و حرام کا نظریہ- حرام اشیاء کی فہرست- مذہبی پیشوائیت کا کاروبار-
38	23-03-69	2/177 - 179	ارکان دین اور اجزائے ایمان- ذات کی پرورش (دوسروں کی مدد' ایفائے عہد' صبرو استقامت) قتل عمد و قتل خطا- قصاص- جرم و سزا کا فلسفہ-
39	13-04-69	2/180 - 184	فرضیت وصیت و صوم- قانون وراثت- روزے کے احکام
40	20-04-69	2/188 - 185	صوم کے احکام و غایت- نزول قرآن- اعتکاف- شب برات- دعا پر تفصیلی بحث- رشوت؟
41	27-04-69	2/189 - 195	حج و عمرہ کا مختصر تعارف- اسلام اور جنگ (جہاد) پر تفصیلی گفتگو
42	05-05-69	2/196 - 207	حج کا مقصد- مناسک حج اور شعائر اللہ-
43	11-05-69	2/208 - 214	نظام قرآنی کا قیام- وحدت انسانیت- تفرقہ بازی کی تباہ کاریاں- استبدال و استخلاف قومی-
44	18-05-69	2/215 - 218	نظام ربوبیت کے عبوری دور کے لئے ہدایات- دین کی مدافعت کے لئے جنگ (جہاد)_ ہجرت- قتل مرتد- دین میں جبر نہیں
45	25-05-69	2/219 - 221	شراب' میسرہ' ازلام اور انصاب کی ممانعت-

			قرآن کے معاشی نظام کی اساس (قل العفو)۔ تیموں کی پرورش' حفاظت اور عزت۔
46	01-06-69	2/222 - 227	عائلی زندگی کے احکام (نکاح - طلاق)۔ جنسی اختلاط سے مقصود۔ عزل' ظہار اور ایلاء۔
47	08-06-69	2/266 - 223	عائلی زندگی کے احکام۔ طلاق' عدت' حلالہ' متعہ اور رضاعت
48	15-06-69	2/234 - 245	صلوۃ الوسطیٰ۔ فلسفہ موت و حیات۔ قرض۔
49	22-06-69	2/247 - 246	مسئلہ جبر و قدر۔ من یشاء کا قرآنی مفہوم۔ کمانڈر کے انتخاب کے لئے معیار۔
50	29-06-69	2/248 - 252	باذن اللہ کی بحث۔ تابوت سکینہ۔ طالوت و جالوت (DAVID And GOLIATH)
51	06-07-69	2/253	نبوت۔ وحی کی بحث اور کلام اللہ سے مراد
52	03-07-69	2/254-255	شفاعت سے مراد۔ اللہ کا تصور۔
53	20-07-69	2/256	لا اکراہ فی الدین۔ کرامات اور معجزات۔
54	27-07-69	2/275-259	النور اور ظلمات۔ طاغوتی قوتیں۔
55	03-08-69	2/260	حضرت ابراہیمؑ۔ بگڑی قوم کو راہ راست پر لانے کا طریقہ۔ پرندوں کا قصہ۔
56	10-08-69	2/261-265	قرآنی نظام کے قیام کے لئے معاشی وسائل کی اہمیت۔ انفاق فی سبیل اللہ۔ احسان کا بدلہ۔ تثبیت نفس
57	17-08-69	2/266-270	انشورنس۔ نذر نیاز۔ رزاقیت۔ عقل کی قسمیں (عقل خود بیں اور اقدار وحی کے تابع عقل)
58	24-08-69	2/271-281	ربوٰ کی بحث۔ تجارت۔ معاوضہ محنت کا ہے۔ انفاق ظاہری اور پوشیدہ۔
59	31-08-69	2/281-286	لین دین کے معاملات۔ دو عورتوں کی گواہی۔ قانون مکافات عمل۔

سورہ البقرہ ختم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب المراسلات

سوال: یہ "حرام مغز" طبی نام ہے یا مغز کا وہ حصہ ہے جسے کھانا حرام ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمادیں۔

جواب: حرام مغز یونانی طب کی اصطلاح ہے۔ نہ معلوم قدیم اطباء نے اس کا نام "حرام مغز" کیوں رکھا۔ اس پر تبصرہ تو مشکل تھا۔ بہرحال اس کی وجہ تسمیہ جو میں بیان کرنے والا ہوں۔ میری اپنی سوچ کا نتیجہ ہے۔ لفظ "حرام" کے بنیادی معنی کسی شے کو روک لینے کے ہیں۔ مثلاً "المحروم" وہ ہے جس کی بنیادی ضروریات رک جائیں۔ ان معانی کے اعتبار سے

(Spinal Cord) کا نام "حرام مغز" کیوں رکھا گیا؟ جہاں تک "مغز" اور "حرام مغز" دونوں کے (Tissues) یعنی خلیات کے تنظیمی ڈھانچے کا تعلق ہے وہ ایک ہی ہے۔ تاہم دونوں کے افعال مختلف ہیں۔ "مغز" کے اندر سب سے اونچی سطح کے مراکز مثلاً" قوت حافظہ' قوت فیصلہ' سوچ سمجھ اور گویائی' کے مراکز موجود ہیں۔ جبکہ مندرجہ بالا افعال مغز اور حرام مغز کے جوڑ پر آکر رک جاتے ہیں اسی روک کی وجہ سے وہ حصہ (Spinnal Column) یعنی ریڑھ کی ہڈیوں کے اندر چلا جاتا ہے۔ اسے حرام مغز کہا جا سکتا ہے۔ حرام مغز کا فعل صرف (Comunicative) ہے۔ یعنی جسم کے مختلف حصوں سے اوپر دماغ کی طرف لے جانا اور اوپر سے احکامات نیچے (Muscles) عضلات تک لے جانا۔

جہاں تک مغز اور حرام مغز دونوں کو بطور خوراک استعمال کرنے کا مسئلہ ہے یہ دونوں حلال ہیں۔ قرآن میں حرام و حلال کا مسئلہ قطعاً" الگ شے ہے۔ قرآن نے صرف مردار' خون' سئور کا گوشت اور وہ شے جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے' کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی ان کو کھانے کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ باقی ہر چیز حلال ہے بشرطیکہ یہ 'طیبات' میں سے ہو۔ یعنی ذائقے کے اعتبار سے' دیکھنے کے اعتبار سے' سونگھنے کے اعتبار ہے ہر لحاظ سے خوشگوار ہو۔ مسئلہ حرام و حلال کی تفصیل بہت لمبی ہے جسے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ اس ضمن میں ایک مسئلہ اور بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آیا کسی ایک جانور کے جسم کا ایک حصہ حلال اور دوسرا حصہ حرام قرار دیا جا سکتا ہے؟ (دراصل مسٹر عبدالرحمٰن کا سوال بھی یہی ہے)۔ قرآن کریم نے جہاں سئور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے وہاں لفظ "**لحم الخنزیر**" استعمال کیا ہے۔ لفظ لحم مادہ ل ح م کے معنی ہیں "مختلف چیزوں کا ایک دوسرے کے اندر پیوست ہو جانا" جس طرح کپڑے کا 'تانا' بانا۔ لحم کے اندر (Muscles) عضلات (Fat) چربی (Blood Vessel) خون کی نالیاں اور (Nerves) مواصلاتی ریشے اس طرح ایک دوسرے کے اندر پیوست ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ کسی ایک قسم کے جانور کا گوشت یا پورا حلال ہے یا یا پورا حرام ہے۔ بہائی لوگوں کا کہنا؟ کے سئور کا صرف گوشت حرام ہے جبکہ چربی حلال ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب

(Pretenders' Mutual Tussele and The Quran)

میں مفصل بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالودود

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران %35 رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)

ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

پرچہ کی خریداری سے متعلق

پرچہ کی ترسیل کے متعلق خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ بھیجے۔

پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ بھیجا جائے گا۔

بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (Coupons) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔ اپنا خریداری نمبر بھی ضرور لکھیں۔

ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر 3082-7 نیشنل بنک مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

کھاتہ داران اپنے اپنے کھاتہ کی طرف توجہ فرمائیں۔ بار بار یاددہانی کرانا مناسب نہیں ہے۔ شمارہ کی ترسیل آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

نرخ نامہ اشتہارات

(ماہنامہ طلوع اسلام)

طلوع اسلام کی اندرون ملک اور بیرون ملک میں مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس لئے طلوع اسلام میں اشتہار دینا آپ کے کاروبار کے لئے فیصد ہو سکتا ہے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کیلئے
پشت پر	800 روپے	6000 روپے
اندرونی صفحات	600 روپے	5000 روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	500 روپے	4000 روپے
نصف صفحہ	300 روپے	2000 روپے
چوتھائی صفحہ	150 روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔ اجرت اشتہار مسودہ کے ساتھ پیشگی ہونی چاہئے۔